شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب: تعبیرات کا تنقیدی جائزہ

محمد ارشد، ایسوسی ایٹ پروفیسر
شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

Abstract

This paper seeks to analyze the varient interpretations of Shah 'Abd al-'Aziz's fatwa (ruling) declaring Indo-Pakistan subcontinent as dar al-harb, the abode of war. With the British conquest of Delhi in 1803, Shah 'Abd al-'Aziz issued a fatwa arguing that under the British subjugation the Subcontinent was no longer dar al-Islam, a land where the Faith (Islam) enjoyed sovereign authority and political power and it had been converted into a dar al-harb, a land where Islam was not free and sovereign. 'Abd al-'Aziz , in his fatwa, did not suggest a line of action (jihad or hijrah) for the Muslim community. Therefore various interpretations of his ruling have been emerged so far. The 'ulama, particularly those who were associated with Jam'iyyat al-'ulama-i hind, and a group of historians (Nizami, Ashraf, Qureshi, Haq and Qadari, etc.,) hold that the legal and political implications of the ruling were that it was the duty of Muslims to wage jihad to restore the Subcontinent to its former status i.e., dar al-Islam.

On the other hand, the modernists, most notably among

them are Mushir al-Haq, Athar Abbas Rizvi, and Khalid Masud, maintain that through his fatwa neither Shah 'Abd al-'Aziz asked the Muslims to wage jihad against the British nor persuaded them to migrate from the country. Rather his prime motive was to protect the "economic interests" of the Muslim community, by allowing them to take interest on financial transactions. Modernists agrue that, to Shah 'Abd al-'Aziz, emigration from the territories under British occupation was not imperative and his fatwa was not designed to mobilize the Muslims against the British. This paper argues that though Shah 'Abd al-'Aziz had not suggested a course of action in his theoretical formulations, however, in practice he patronized the jihad and reform movement of Sayyid Ahmad Brelavi and Shah Isma'il. This suggests that he was primarily concerned for the restoration of the Muslim authority (dar al-Islam) in the Subcontinent. This paper also argues that the positon of the modernists regarding the "economic implications" of Shah 'Abd al-'Aziz's fatwa (ruling) could not be fully substantiated by concrete and well established evidences.

ابتدائیہ

۱۸۰۳ء میں مغلیہ دار السلطنت دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد ہندوستان کی شرعی و قانونی حیثیت اور اس ملک کے مسلمانوں کے غیر مسلم ناصب حکمرانوں سے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں کثیر تعداد میں فتاوی منظر عام پر آئے۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے خلفاء مولانا عبدالحی بڈھانوی اور شاہ اسماعیل شہید کے فتاوی کے علاوہ وابستگان ولی اللہی سے وابستہ دیگر علماء کے فتاوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان فتاوی میں بالعموم برعظیم پاک و ہند کو دار الحرب قرار دے کر اس ملک سے ہجرت یا پھر غیر ملکی و غیر مسلم اقتدار کے خاتمہ کیلئے مسلمانوں پر جہاد و مزاحمت کو شرعاً فرض قرار دیا گیا۔ شاہ عبدالعزیز کے فتوی

دارالحرب کو اس باب میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے متعدد فتاویٰ میں صریح طور پر انگریزی اقتدار کے تحت ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، تاہم اس ملک سے ہجرت یا غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہاد کے بارے میں سکوت اختیار کیا۔ چنانچہ ان کے فتاویٰ کے سیاسی و ملی مضمرات (Implications) کے بارے میں مختلف و متباین تعبیرات منظر عام پر آئی ہیں۔ جنگ آزادی میں سرگرم عمل جمعیۃ العلماء ہند کے قائدین نے شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب کو انگریزی اقتدار کے خلاف اعلان جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس معروف اور مقبول عام نقطۂ نظر کے برعکس جدید الخیال دانشوروں کے ایک گروہ نے اسے سرتاسر مسلمانوں کے معاشی حقوق و مفادات کے تحفظ کی طرف ایک اہم اقدام، جس کا مقصد غیر مسلم اقتدار کے تحت سودی لین دین کو سند جواز فراہم کرنا تھا، سے تعبیر کیا ہے۔ جدید الخیال دانش وروں نے جمعیۃ العلماء ہند سے منسلک مصنفین کی تعبیر کو "سیاسی تعبیر" قرار دیا، کہ جنہوں نے سیاسی نصب العین کے حصول کے لیے شاہ صاحب کے فتاویٰ میں ہجرت و جہاد کے معنی پیدا کیے۔

اس مقالے میں شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کے بارے میں منظر عام پر آنے والی مختلف و متباین تعبیرات کا جائزہ لیا جائے گا، اور ہجرت و جہاد کے بارے میں شاہ عبدالعزیز نیز ان کے خلفاء و تلامذہ کے طرز فکر و عمل کی روشنی میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ کون سی تعبیر قرین صواب ہے۔

شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ دارالحرب: سیاسی پس منظر

برعظیم پاکستان و ہند میں مسئلہ جہاد (جہاد کی مشروعیت اور اس کے ارکان و شرائط) پر بحث مباحثہ کا آغاز اس خطے پر برطانوی تسلط کے پس منظر میں ہوا۔ مغلیہ سلطنت کے جلیل القدر فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد اس سلطنت کا زوال شروع ہوا اور اس کا شیرازہ بڑی تیزی سے بکھرتا گیا۔ صرف پچاس سال کے عرصے میں برطانوی تاجروں کی ایک شراکت - ایسٹ انڈیا کمپنی - نے سلطنت کے ایک بڑے صوبے بنگال کے حکمران نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر (جنگ پلاسی، ۱۷۵۷ء) اس کی حکومت اور وسائل پر قبضہ کرلیا۔ چند سال بعد ۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو کمپنی نے مغلیہ سلطنت سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی (مالگزاری جمع کرنے اور اس کا انتظام و انصرام نیز عدالتی نظم و نسق) کو شاہ عالم ثانی (۱۷۲۸ء۔۱۸۰۶ء) سے چھین لیا(۱)۔ مئی ۱۷۹۹ء میں انگریزی افواج نے ٹیپو سلطان کو شہید کرکے ریاست میسور پر تسلط قائم کرلیا(۲) جبکہ ۱۸۰۱ء میں اودھ کے حکمران نواب سعادت علی خان سے اودھ اور روہیل کھنڈ کا علاقہ ہتھیا لیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزی فوج جنرل لارڈ لیک کی قیادت میں دہلی میں فاتحانہ داخل ہوئی اس کے ساتھ ہی کلکتہ سے دہلی تک انگریزوں کا تسلط و اقتدار قائم ہوگیا۔ فاتح برطانوی کمپنی نے مغل بادشاہ شاہ عالم کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور وہ اس کا وظیفہ خوار ہوگیا۔ ۱۸۰۵ء میں کمپنی نے بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کی(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی نے دہلی پر قبضہ (۱۸۰۳ء) کے بعد مغل بادشاہ شاہ عالم کو معزول کرنے اور اس سے شاہی تخت و تاج چھیننے کے بجائے حکومت و اقتدار کے تمام اختیارات اس سے سلب کر لیے یعنی بادشاہ کو تخت و تاج کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے عملاً حکومت و سلطنت کے تمام اختیارات کمپنی نے اپنے ہاتھ میں لے لیے(۴) سیاست و حکومت میں اس دو عملی کی تعبیر یہ کی گئی کہ: "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم (حکومت و اقتدار) کمپنی بہادر کا"(۵)۔ چنانچہ کاروبار حکومت و سلطنت پر کمپنی

کے تسلط قیام کے باوجود اب بھی اقتدار اعلیٰ پر آ گئی حق صرف بادشاہی کو حاصل تھا لندن شہر یز اراضی مقبوضہ شاہی میں تصاص کا فتوئ بلا منظوری بادشاہ کے نافذ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب بادشاہ کا بس یا اختیار رہ گیا تھا(۶)

برطانوی ہندوستان: دارالحرب یا دارالاسلام

دارالسلطنت دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد جبکہ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کی برائے نام بادشاہت بھی موجود تھی، مسلمان سیاسی مفکرین اور علماء وفقہاء کے سامنے" ایک نہایت ہی نازک سوال یہ تھا کہ موجودہ حالت کو آزادی کہا جائے یا غلامی۔ اسلامی قوانین کی رُو سے پیچیدہ سوال یہ تھا کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے جیسا کہ ۱۸۰۳ء سے پہلے تھا یا دارالحرب کہا جائے، جہاں برسر اقتدار طاقت سے جنگ کرنا ورنہ اس ملک سے ہجرت کر جانا مذہبا فرض ہے یا اس کو دارالامن مانا جائے جہاں اگر چہ حکومت غیر مسلم ہے مگر مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہے اور مذہبی آزادی اُن کو حاصل ہے اور اس بنا پر حکومت سے جنگ کرنا درست نہیں" (۷)۔ مزید براں غیر مسلم اقتدار کے قیام و استحکام اور شریعت اسلامیہ کی عملداری کے اٹھ جانے پر مسلمانوں کو اقتصادی معاملات میں سودی لین دین کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ غرضیکہ اس وقت جو چند اہم سوالات جو لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے تھے اور علماء وفقہاء کی طرف سے واضح جواب کے متقاضی تھے وہ یہی تھے:

۱۔ مغلیہ سلطنت کی حیثیت بدستور دارالاسلام کی ہے یا وہ۔ دارالسلطنت دہلی اور دیگر علاقوں پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جبکہ مغل بادشاہ کی برائے نام بادشاہت بھی موجود ہے۔ دارالحرب میں تبدیل ہو چکا ہے؟

۲۔ مسلم مملکت کے دارالاسلام سے دارالحرب میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں مسلمان اپنی سیاسی آزادی و خود مختاری کے تحفظ کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کریں۔ وہ مزاحمت و جہاد یا پھر ہجرت کا راستہ اختیار کریں یا پھر ان کو انگریز حکام کی وفادارانہ اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لینی چاہیے؟

۳۔ دارالحرب میں شریعت کی فرمانروائی کے اٹھ جانے کی صورت میں اہل اسلام کو شرعی (قانونی) معاملات میں کون کون سی رخصتیں حاصل ہوتی ہیں بالفاظ دیگر کن معاملات میں اسلامی قوانین کا تعطل لازم آتا ہے اور غیر اسلامی قوانین پر عمل کی اجازت حاصل ہوتی ہے؟ اس باب میں ایک اہم سوال یہ تھا کہ اقتصادی معاملات میں سودی لین دین کے متعلق اہل اسلام کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟(۸)

شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتوئ دارالحرب

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶-۱۸۲۴ء) ہندوستان کے وہ پہلے عالم وفقیہ تھے جنھوں نے برطانوی تسلط و اقتدار کے تحت ہندوستان کی تبدیل شدہ شرعی حیثیت اور اس سے متعلقہ مسائل کے بارے میں سوالات کے جواب میں تقریبا درجن بھر فتاوئ جاری کیے۔ شاہ صاحب نے اس ملک کے سیاسی حالات کا دقیق نگاہ سے جائزہ لیا اور اس کی شرعی و قانونی حیثیت کے بارے میں دو ٹوک رائے ظاہر کی۔ انھوں نے برطانوی افواج کے زیر نگیں اس ملک کے دارالحرب ہونے کا فتوئ جاری کیا۔ شاہ صاحب نے غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ مغل بادشاہ قطعا بے بس اور کمزور اور حقیقی سیاسی و حکومتی اختیار و اقتدار سے محروم ہے، حقیقی

اقتدار اور طاقت غیر ملکیوں (انگریزوں) کے ہاتھوں میں ہے، جنہوں نے گو اپنے تجارتی و سیاسی مصالح کی بنا پر بعض علاقوں پر براہ راست اپنا نظم و نسق قائم کرنے سے احتراز کیا ہے۔ بایں ہمہ یہ ملک (سلطنت مغلیہ) دارالاسلام یعنی وہ ملک جہاں اسلام کو برسر اقتدار سمجھا جا سکے نہیں رہا۔ اس واقعے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انگریزوں نے بعض مخصوص اسلامی شعائر کی بجا آوری میں مداخلت نہیں کی ہے۔ اسلامیان ہند اب قطعاً دارالحرب میں یعنی ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس پر اقتدار و حکومت سے انہیں محروم کر دیا گیا ہے۔ نصاریٰ (انگریزوں) کے تسلط کے سبب اس ملک میں اب مسلمانوں اور ذمیوں کو تحفظ و امان حاصل نہیں رہا۔ یوں شاہ عبدالعزیز نے متعدد فتاویٰ جاری کر کے اس ملک کی شرعی و قانونی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں کی ذہنی الجھن کو دور کر دیا۔(۹)

شاہ عبدالعزیز کا سب سے پہلا فتویٰ اس سوال (استفتاء) کے جواب میں ہے کہ دارالاسلام، دارالحرب ہو سکتا ہے کہ نہیں (دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو سکتا ہے کہ نہیں)؟ اس سوال کے جواب میں شاہ صاحب نے جو فتویٰ جاری کیا اس میں انھوں نے دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف اور دارالاسلام کے دارالحرب میں تبدیل ہونے کے شرائط ذکر کرنے کے بعد ان شرائط کی روشنی میں اس ملک کی شرعی حیثیت کا تعین کیا ہے اور صریح طور پر اس ملک کو دارالحرب قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب کی رائے میں کسی دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کی بنیادی شرط یہی ہے کہ وہاں کفار و مشرکین کا اقتدار قائم ہو جائے اور ان کے احکام بلا روک ٹوک جاری ہو جائیں اور وہاں اسلام کا حکم (اقتدار و حکومت) باقی نہ رہے(۱۰)۔ شاہ عبدالعزیز نے اس مسئلہ میں جو فتویٰ فارسی زبان میں صادر فرمایا(۱۱) اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

> "معتبر کتابوں میں اکثر یہی روایت مختار ہے کہ جب تین شرطیں پائی جائیں تو دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے: "لاتصیر دار الاسلام دار الحرب الا بامور ثلاثة باجرآء الاحکام اهل الشرک وباتصالها بدار الحرب و بان لایبق فیها مسلم او ذمیٌّ امناً بالامان الاوّلِ علی نفسه و دار الحرب تصیرُ دار الاسلام باجرآءِ احکام اهل الاسلام فیها" یعنی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا مگر جب تین امور پائے جائیں:

۱۔ وہاں مشرکین و کفار کے احکام جاری ہو جائیں۔

۲۔ اور وہ دارالاسلام دارالحرب سے مل جائے۔

۳۔ اور وہاں کوئی مسلمان اور کوئی ذمی اپنی امان اول پر جو اُس کو قبل غلبۂ کفار کے حاصل تھی باقی نہ رہے یعنی جو امان مسلمان کو اپنے اسلام اور ذمی کو اپنے عقد ذمہ کے سبب سے حاصل تھی۔

اور دارالحرب اسی حالت میں دارالاسلام ہو جاتا ہے کہ اہل اسلام کے احکام اس میں جاری ہو جائیں۔ الکافی میں لکھا ہے:

> إن المراد بدار الاسلام بلادٌ یجری فیها حکم امام المسلمین و یکون تحت قهره وبدار الحرب بلادٌ یجری فیها امر عظیمها و تکون تحت قهره.

یعنی دارالاسلام سے مراد وہ شہر [ملک] ہیں جن میں مسلمانوں کے امام کا حکم جاری ہو اور وہ شہر اس کے زیر حکومت ہوں۔ اور دارالحرب سے وہ شہر مراد ہیں جن میں ان شہروں کے [کافر و مشرک] سردار کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے زیر حکومت ہوں" (۱۲)

شاہ عبدالعزیز در المختار اور الکافی کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد مغلیہ سلطنت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہرگز جاری نہیں۔ رؤسائے نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات، انتظام سلطنت و بندوبست رعایا، تحصیل خراج و باج و عشر اموال تجارت میں حکام [کفار] بطور خود حاکم ہوں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا اور رعایا کے باہمی معاملات اور جرموں کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہو۔ اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ وعیدین و اذان اور گاؤ کشی [ذبح بقر] میں کفار تعرض نہ کریں۔ لیکن ان چیزوں کا اصل الاصول ان کے نزدیک بے فائدہ ہے۔ کیونکہ مسجدوں کو بے تکلف منہدم کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجازت نہ دیں کوئی مسلمان اور کافر ذمی ان اطراف [دہلی شہر اور اس کے نواح] میں نہیں آ سکتا۔ مصلحتاً وارد ین اور مسافرین اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے [کو منع نہیں کرتے]۔ دوسرے امراء مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بلا اجازت ان کے شہروں میں نہیں آ سکتے۔ اور اس شہر (دہلی) سے کلکتہ تک ہر جگہ نصاریٰ کا عمل [عملداری] ہے۔ البتہ دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں ان کا حکم جاری نہیں۔ کیونکہ ان مقامات کے والیان ملک نے ان سے صلح [معاہدہ] کر لی اور ان کی فرمانبرداری کر لی" (۱۳)

شاہ عبدالعزیز نے دارالحرب میں کافروں سے سودی معاملہ سے متعلق ایک استفتاء میں شامل اس سوال کہ "انگریزوں اور ان کے مانند دوسرے لوگوں، جو اہل اسلام میں سے نہیں، کی عملداری دارالحرب ہے یا نہیں؟" کے جواب میں بھی انگریزوں اور ان کے مانند دوسرے غیر اہل اسلام کے زیر تسلط و اقتدار ملک کو دارالحرب قرار دیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ یہ قول کہ دارالاسلام کبھی دارالحرب نہیں ہو سکتا مرجوح ہے یعنی ضعیف ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب ہو جائے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دارالاسلام کس صورت میں دارالحرب ہو جاتا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ کلام ہے کہ اگر کوئی ایک چیز بھی شعائر اسلام سے جبراً منع کی جائے مثلاً اذان یا ختنہ سے جبراً دارالاسلام میں منع کیا جائے تو وہ دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔ اور علماء کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ دارومدار اس امر کا کہ دارالاسلام دارالحرب ہو جائے اس پر نہیں کہ اس دارالاسلام میں شعائر اسلام مٹا دیے جائیں بلکہ جب شعائر کفر بے دغدغہ باعلان دارالاسلام میں رواج پائیں اگرچہ وہاں شعائر اسلام سب قائم ہوں، تاہم دارالاسلام دارالحرب

ہو جاتا ہے۔ اور علماء کی ایک تیسری جماعت بھی ہے اس نے اس سے بھی ترقی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں کہ وہاں کوئی مسلمان اور نہ کوئی کافر ذمی امن میں امان اول کے ذریعہ سے ہو، خواہ بعض شعائر اسلام وہاں ترک کیے گئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں اور خواہ با علان شعائر کفر نے رواج پایا ہو یا نہ پایا ہو۔ اور اسی قول ثالث کو محققین نے ترجیح دی ہے۔ اور باعتبار اس قول ثالث کے عملداری انگریز کی اور ان کے مانند دوسرے غیر اہل اسلام کی عملداری بلاشبہ دارالحرب ہے [انگریز اور ان کے مانند دوسرے کفار و مشرکین کے اقتدار کے ماتحت شہر اور علاقے بلاشبہ دارالحرب ہیں]۔ واللہ اعلم" (۱۴)

شاہ عبدالعزیز کے ان فتاویٰ میں یہ صراحت موجود ہے کہ دارالاسلام سے مراد ایسا ملک ہے جس میں مسلمانوں کے امام (حکمران) کا حکم جاری ہو، یعنی وہ شہر اور علاقے جو امام المسلمین کے زیر اقتدار و حکومت ہوں اور وہاں شریعت کی فرمانروائی و عملداری قائم ہو۔ شاہ صاحب کی ان فقہی تصریحات سے معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں دارالاسلام کی اصل خصوصیت مسلم اقتدار و حکومت کا قیام و استحکام اور اسلامی احکام کا اظہار اور اجراء ہے جبکہ مسلم اقتدار و حکومت کے زائل ہونے سے ایک دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے مسلمانوں کو زیر سایہ کفر محض برائے نام مذہبی آزادی کا حاصل ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے لیے کامل سیاسی آزادی و خود مختاری کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ یوں شاہ عبدالعزیز نے دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کی شرائط کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد کلیۃً سیاسی آزادی و خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کو مدار حکم بنا کر انگریزی اقتدار کے ماتحت اس ملک کو دارالحرب قرار دیا (۱۵)

شاہ عبدالعزیز کا یہ مسلک فقہائے احناف کی ایک کثیر جماعت کی تصریحات کے خلاف تھا، جن کی رائے میں کسی بھی دارالاسلام کو اس وقت تک دارالاسلام کہا جائے گا جب تک اس میں اسلام کا ایک حکم بھی باقی رہے گا اگرچہ اہل اسلام کا سیاسی غلبہ اور حکومت و اقتدار زائل ہو جائے اور وہ بلاد کفار کے قبضہ میں چلے گئے ہوں۔ از روئے مذہب احناف کوئی ملک احکام کفر کے اجراء سے صرف اس وقت دارالحرب ہوگا کہ جب اس میں احکام اسلام میں سے ایک حکم کا بھی اجراء باقی نہ رہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر اعلان (اذان) کے ساتھ جمعہ و جماعت و عیدین کی اقامت، عائلی و شخصی معاملات میں شریعت کے احکام کے مطابق فیصلہ و حکم اور افتاء و تدریس بلا نکیر عام ہے (غیر مسلم اہل اقتدار معترض نہیں ہیں) تو یہ اس ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اس مسلک کی رُو سے جو بلاد اسلام کفار کے قبضہ میں چلے جائیں ان میں جب تک ایک حکم اسلام بھی باقی رہے گا اس وقت وہ دارالحرب نہیں ہو سکتے (۱۶)

شاہ عبدالعزیز نے اپنے فتاویٰ میں برطانوی ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے ساتھ ہی بعض شخصی و اجتماعی معاملات میں شرعی قوانین کے تعطل اور غیر اسلامی قوانین پر عمل، خصوصاً سودی معاملات اور غلام اور لونڈی رکھنے کی اجازت، پر بھی کلام کیا۔ دارالحرب (برطانوی ہندوستان) میں مسلمانوں کے اقتصادی مصالح کے تحفظ کی غرض سے شاہ صاحب نے اپنے فتاویٰ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ دارالحرب میں سودی لین دین کو ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر روا رکھا جا سکتا ہے، البتہ انھوں نے اس باب میں

اہل اسلام کو احتیاط کی تلقین کی (۱۷)

شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی تعبیرات

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب ایک دارالاسلام، دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کو پھر سے دارالاسلام بنانے کے لیے اپنی ہر ممکنہ قوت استعمال کریں اور اگر پوری جد وجہد کے باوجود انہیں اس میں کامیابی نہ ہو تو پھر ایسے ملک سے ہجرت کر جائیں (۱۸)۔ دارالحرب سے متعلق اس عمومی تصور کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز کے مذکورہ فتاویٰ کے بارے میں اہم اور بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کو دارالحرب کیوں قرار دیا؟ کیا ان فتاویٰ کے جاری کرنے سے ان کا منشا صرف شرعی احکام کی رو سے اس ملک کی انقلاب پذیر واقعی حیثیت کا تعین تھا یا وہ اسلامیان ہند کو اس ملک میں مسلم اقتدار کے تحفظ واحیاء اور انگریزوں کے اقتدار وتسلط سے استخلاص کے لیے عملی جد وجہد (جہاد) یا پھر اس ملک سے ہجرت پر آمادہ کرنا چاہتے تھے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا شاہ صاحب نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے برطانوی ہندوستان (جو ان کی نظر میں دارالحرب میں تبدیل ہو چکا تھا) کو اس کی سابقہ حالت (دارالاسلام) پر واپس لانے کے لیے مسلمانوں کو کسی معین لائحہ عمل کی طرف راہنمائی کی تھی۔ اگر شاہ صاحب کے ان فتاویٰ (فتاویٰ عزیزی میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی حیثیت کے بارے میں ۱۴ فتاویٰ موجود ہیں) کے متن کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں ملتا جس میں کہا گیا ہو کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد اس ملک کے مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ بنا بریں شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کی متعدد (متخالف ومتباین) تعبیریں سامنے آئی ہیں۔ علماء اور مؤرخین نے اپنی اپنی افتادِ طبع اور سیاسی میلان ورجحان کے لحاظ سے ان کی تعبیر وتوجیہ کی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی میں تحریک آزادی ہند میں سرگرم عمل جمعیۃ العلماء ہند کے قائدین بالخصوص مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء-۱۹۴۴ء)، مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء-۱۹۵۷ء) مولانا سید محمد میاں اور ان کے متعلقین وغیرہ نے برطانوی استعمار کے خلاف اپنی جد وجہد کے سیاق میں ہندوستان کی شرعی حیثیت سے متعلق شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کو بہت اہمیت دی اور اسے تحریک استخلاص وطن کا سنگ میل قرار دیا۔ ان کی رائے میں شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا فتویٰ دے کر دراصل اس ملک کے مسلمانوں کو آزادی ہند کے لیے جد وجہد کی تحریک کی تھی۔ ان علماء نے شاہ عبدالعزیز کے فتوے میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے معانی پیدا کرنے کے لیے اس کو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تسلسل میں پیش کیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی توجیہ وتعبیر کے مطابق شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ دارالحرب دراصل غیر مسلم غاصب وتسلط قوت کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ ان کے الفاظ میں:

> ''امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے فتویٰ دارالحرب دیا کہ ہندوستان کے جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضے میں جا چکے ہیں، ان علاقوں میں اگرچہ برائے نام سلطان دہلی کا عمل دخل مانا جاتا ہے، لیکن وہ سب کے سب دارالحرب ہیں۔ امام عبدالعزیز کے نزدیک چونکہ سلطان دہلی کی برائے نام حکومت ملک کو

دارالاسلام نہیں بنا سکتی، اس لیے ہندوستان میں مسلمانوں کی جو زبردست قوتیں موجود ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ یا تو یہاں سے ہجرت کر جائیں یا دشمن سے لڑ کر اپنی نئی اسلامی حکومت بنائیں۔ ہر وہ شخص جو دارالحرب میں رہتا ہو، اس کا یہ مذہبی فرض ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اسلامی حکومت کا نظام دشمنوں کی غالب طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض عام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے، ملت اسلامیہ کا اس سے تغافل برتنا اور اس معاملے میں کچھ نہ کرنا شریعت کی نظر میں حرام ہے۔ جب یہ حالت ہو تو مسلمانوں کے ہر ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ دشمنوں کے غلبے کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرے اور پھر جیسے جیسے حالات پیش آتے رہیں، اسی لحاظ سے اجتماعی نظام قائم کرتا رہے"(۱۹)

مولانا عبیداللہ سندھی کی اس تعبیر و توجیہ کو ان کے خواجہ تاش مولانا سید حسین احمد مدنی کے علاوہ جمعیۃ العلماء ہند کے ممتاز رکن مولانا سید محمد میاں نے پوری طرح سے اپنا لیا۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی نے بھی شاہ عبدالعزیز اور ان کے خلفاء و مسترشدین کی جماعت کو جدید ہندوستان کی ایک ایسی انقلابی جماعت قرار دیا، جس کا اساسی نصب العین غیر ملکی تسلط سے استخلاص تھا۔ مولانا مدنی کے الفاظ میں "وہ سب سے بڑی اور سب سے پہلی وطنی جماعت جو ملک کو اجنبی اقتدار سے آزاد کرنے کے لیے کھڑی ہوئی وہ شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ اور مسترشدین کی تھی۔ شاہ عبدالعزیز اور آپ کے ہم خیال دوسرے علماء کی رہنمائی میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو ہندوستان کو انگریزوں کے اقتدار سے نجات دلانا اپنا فرض سمجھتی تھی"(۲۰) مولانا حسین احمد مدنی کی رائے میں بھی شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ دارالحرب دراصل ملک کی غیر ملکی و غیر مسلم تسلط سے آزادی کی جدوجہد کا اعلان تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے سید احمد بریلوی (شاہ عبدالعزیز کے مرید خاص) اور ان کے رفقاء خصوصاً مولانا شاہ اسماعیل دہلوی (شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے) اور مولانا عبدالحی بڈہانوی (شاہ عبدالعزیز کے داماد) وغیرہ کی تحریک ہجرت و جہاد سے استدلال کیا ہے۔ ان کے خیال میں اس تحریک کی اٹھان شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب پر ہوئی تھی۔ مولانا مدنی کے الفاظ میں سید احمد بریلوی "۱۸۲۳ء میں حجاز سے واپسی پر سید احمد کھل کر میدان میں آ گئے تھے۔ وہ صریح اور صاف الفاظ میں لوگوں کو جہاد کی طرف بلاتے۔ وہ فرضیت جہاد کی وجوہ و دلائل بیان فرماتے تھے اور نہ صرف سکھوں سے جہاد کرنے کی فرضیت کی تلقین ہوتی تھی بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنا ضروری اور اصل الاصول قرار دیتے تھے"(۲۱)

مولانا سید محمد میاں اس امر کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے فتاویٰ میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جہاد یا پھر ملک سے ہجرت کا صریح الفاظ میں کوئی حکم نہیں دیا یعنی انھوں نے واضح اور صاف لفظوں میں مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد نہیں کیا، البتہ ان کی رائے میں شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب میں یہ بات مضمر تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ غیر ملکی تسلط کے خاتمے اور مسلم اقتدار کی بحالی کے لیے جہاد کریں یا پھر اس ملک سے ہجرت کر جائیں۔ سید محمد میاں کی توجیہ کے مطابق شاہ عبدالعزیز کے اس فتویٰ کی حقیقی غایت انگریزی استعمار کے خلاف مسلمانوں کو۔ ان کے مذہبی و سیاسی شعور کو

بیدار کرکے جدوجہد کیلئے آمادہ کرنا تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب کی حقیقت بین نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ اس ملک (ہندوستان) کے موجودہ مسلم حکام و امراء میں سے اب کسی میں طاقت اس غیر مسلم ظالم و غاصب قوت کے مقابلہ اور اس کو ملک سے نکال باہر کرنے کی نہیں رہی جس پر اطمینان کیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے اس فتوی کے ذریعے مسلم عوام کو ملک کی حقیقی سیاسی صورت احوال سے آگاہ کرنے اور غیر ملکی تسلط سے آزادی کے لیے انہیں عملی جدوجہد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سید محمد میاں کی تعبیر و توجیہ کے مطابق اس وقت کی سیاسی صورت حال کے باعث شاہ صاحب کھل کر نہ تو جہاد کا حکم دے سکتے تھے اور نہ ہجرت کی تبلیغ کرسکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک شرعی اصطلاح کا سہارا لے کر اپنے ضمیر کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ ان کے الفاظ میں:

"شاہ صاحب کے اس فتوی کی زبان مذہبی ہے کہ "دارالحرب" کا اصطلاحی لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر روح سیاسی ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ:

۱۔ قانون سازی کے جملہ اختیارات عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ مذہب کا احترام ختم ہے۔

۳۔ اور شہری آزادی سلب کرلی گئی ہے۔

لہٰذا ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کردے اور جب تک اس کو ملک بدر نہ کردے، اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لیے حرام جانے"۔ (۴۲)

سید محمد میاں نے بعض تاریخی حقائق (مسلم مرہٹہ کشمکش) کے برعکس شاہ عبدالعزیز کے فتوی دارالحرب کو غیر ملکی اجنبی اقتدار کے خلاف ہندو مسلم متحدہ محاذ کی اساس کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کی تعبیر کے مطابق شاہ عبدالعزیز کے فتوی دارالحرب نے اہل اسلام کے مرہٹوں سے، جو اس وقت انگریزوں کے خلاف برسر پیکار تھے، عسکری اتحاد و اشتراک عمل کی راہ ہموار کردی تھی۔ اس فتوی کا فوری اثر یہ ہوا کہ استخلاص وطن کے لیے مسلمانوں کا "باہمت جنگجو طبقہ اس طاقت سے وابستہ ہوگیا جو اس وقت انگریزوں سے برسر پیکار تھی، یہ طاقت اس وقت صرف مرہٹوں کی تھی۔ اس دور میں مسلمانوں اور مرہٹوں کی پرانی جنگ ختم ہوگئی، اور صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ مرہٹی علاقوں کے مسلمان مرہٹوں کی فوج میں شامل ہوکر آخر تک انگریزوں سے لڑتے رہے بلکہ شمالی ہند کے بھی بہت سے مسلمان ان علاقوں میں پہنچے اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کی جنگ میں شریک ہوگئے۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے خاص معتقد اور مرید سید احمد شہید صاحب کو امیر علی خان سنبھلی کے پاس بھیجا جو جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ ایک عرصہ سے انگریزی طاقت پر شب خون مار رہے تھے۔ (۴۳)

جمعیۃ العلماء ہند کے اکابرین کے علاوہ متعدد دیگر دیوبندی فضلاء نے بھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے سوانح نگار مولانا امیر اوروی کی رائے میں بھی شاہ عبدالعزیز کے فتوی کا مطلب انگریزی اقتدار کے خلاف جدوجہد کے لیے لوگوں کو تیار کرنا تھا۔ مولانا امیر اوروی کے الفاظ میں:

"مرجع العلماء حضرت شاہ محدث دہلوی کا فتوی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں بہت

> پہلے ہی شائع ہو چکا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط مسلمانوں کیلئے ایک چیلنج ہے، اس کے خلاف جدوجہد کرنا مسلمانوں کا قومی و ملی فریضہ ہے، دارالحرب کی مظلومانہ زندگی اور شعائر اسلام کی تحقیر اور اس کے نفاذ میں رکاوٹوں کو دور کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ شریعت کا یہ تقاضا بھی ہے اور ایک غیرت مند اور متحرک و فعال قوم کی نفسیات کے عین مطابق بھی، دارالحرب سے یا تو ہجرت اختیار کرو یا اس باطل نظام سے ٹکرا کر اس کو مٹا دو یا خود مٹ جاؤ تیسری کوئی شکل نہیں" (۲۴)

تحریک آزادی ہند میں سرگرم عمل جمعیۃ علماء ہند کے قائدین کے علاوہ بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے ممتاز عالم دین اور مؤرخ سید ابوالحسن علی ندوی (۱۹۱۳ء-۱۹۹۹ء) نے بھی شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کے قانونی و سیاسی مضمرات پر بحث کی ہے۔ اس باب میں ان کا نقطۂ نظر کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ سید صاحب کی رائے میں "سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب "خطرہ" سے بڑھ کر "واقعہ" کی شکل اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ہندوستان اور اس کے اطراف و اکناف میں فرنگیوں کے برپا کردہ فتنہ و فساد کے استیصال کے لیے ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی جرأت کی" (۲۵) سید ابوالحسن علی ندوی کی رائے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک ہجرت و جہاد کے حقیقی بانی مبانی اور قائد و رہنما شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی تھے۔ اس تحریک کو اپنے آغاز سے ہی شاہ عبدالعزیز کی بھرپور تائید و حمایت حاصل رہی (۲۶)

برعظیم پاکستان و ہند کے متعدد مؤرخین نے بھی شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کو ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خلاف جدوجہد کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کے سیاسی طرز فکر و عمل کی تشکیل میں شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں خلیق احمد نظامی، کے. ایم. اشرف، خورشید مصطفیٰ رضوی (۲۷)، ضیاء الحسن فاروقی، اشتیاق حسین قریشی، سید معین الحق اور محمد ایوب قادری بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں ان مؤرخین کے نقطۂ نظر کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

خلیق احمد نظامی (۱۹۲۵ء-۱۹۹۷ء) نے ہندوستان کی شرعی و آئینی حیثیت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کو غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلا اور سب سے مؤثر قدم قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ میں:

> "شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو "دارالحرب" قرار دے کر غیر ملکی اقتدار کے خلاف سب سے پہلا اور سب سے مؤثر قدم اٹھایا تھا۔ اس فتوے کی اہمیت کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جو "دارالحرب" کے صحیح مفہوم کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاست پر خاندان ولی اللہ کے اثرات کا بھی صحیح علم رکھتے ہوں۔ سید احمد شہید، مولانا اسمٰعیل شہید وغیرہ نے اپنی سیاسی فکر میں انگریزی اقتدار کو جو درجہ دیا تھا اس کی بنیاد یہی فتویٰ تھا۔ سید احمد شہید کی تحریک جس کو مصلحتاً بعض ممتاز اشخاص نے سکھوں کے خلاف تحریک کا رنگ دے دیا تھا، حقیقتاً انگریزوں ہی کے خلاف سب سے زیادہ منظم کوشش تھی۔ ان کا مقصد اولیں یہی تھا کہ انگریزوں کو

ہندوستان سے نکال دیا جائے''(۲۸)

مارکسی مکتب فکر کے معروف مؤرخ کے. ایم. اشرف (۱۹۰۳ء۔۱۹۶۲ء) نے بھی شاہ عبدالعزیز کے فتوئی دارالحرب کو برعظیم پاکستان و ہند کی تحریک آزادی کا سنگ میل قرار دیا ہے۔ موصوف اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''۱۸۰۳ء میں دہلی میں لارڈ لیک کی آمد کے ساتھ علماء کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جب انھیں قرآن کے اصولوں اور احکام شریعت کی روشنی میں برطانوی حکمرانوں کی نسبت مسلمانوں کی شرعی حیثیت کی وضاحت کرنے کو کہا گیا۔۔۔ شاہ عبدالعزیز نے بلا تامل اعلان کیا کہ دہلی سے کلکتہ تک سارا ملک نصرانیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ وہ مطلق العنان اور اعلیٰ اقتدار کے مالک ہیں جبکہ لکھنؤ اور رام پور کے نام نہاد مسلمان ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہندوستان شرع کی رو سے دارالاسلام نہیں رہا اور اب اسے دارالحرب تصور کرنا ہوگا۔ اس سے کلیتاً ایک نئی اور نازک صورت حال پیدا ہوگئی کیوں کہ جب ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا تو مسلمانوں پر یہ فرض ہوگیا کہ وہ یا تو انگریزوں کے خلاف جہاد کریں یا کسی آزاد ملک کو ہجرت کر جائیں۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اگر کسی ناگزیر سبب کی بناپر انہیں انگریزوں کے تحت رہنا ہی پڑے تو انہیں انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ انگریز غاصبوں کے ساتھ دوستی یا آشتی ممکن نہیں، در حقیقت یہ قطعی طور پر حرام تھی''(۲۹)

ضیاء الحسن فاروقی کی نظر میں شاہ عبدالعزیز کا فتوئی دارالحرب مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور مسلمانان ہند کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فتوئی نے ملک میں طاقتور مسلمان حکمران اور جنگی قائد کی عدم موجودگی میں اسلامیان ہند کے دینی و سیاسی شعور کو بیدار کر کے غیر ملکی اقتدار کے خلاف ایک وسیع و ہمہ گیر عوامی تحریک کی بنیاد رکھ دی۔(۳۰)

اشتیاق حسین قریشی (۱۹۰۳ء۔۱۹۸۱ء) کی رائے میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے فتوئی دارالحرب کے ذریعے ہندوستان کی قانونی و دستوری حیثیت کے بارے میں ابہام کو دور کر کے ملت اسلامیہ پر اس حقیقت کو الم نشرح کر دیا تھا کہ وہ اس ملک میں مغلیہ بادشاہت کی موجودگی کے باوجود حقیقی اقتدار و حکومت سے محروم اور غیر ملکی و غیر مسلم طاقت کے محکوم و غلام ہو چکی ہے۔ شاہ صاحب کے فتوئی دارالحرب کا واضح طور پر مطمح نظر یہ تھا کہ ملت اسلامیہ کو اس امر پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اس ملک کی سابقہ حیثیت (دارالاسلام) کی بحالی کے لیے ہر ممکن جدوجہد کرے۔(۳۱)

سید معین الحق کے خیال میں بھی ''جب انگریزی حکام نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اسلامی احکام کی پابندی اور ان پر عمل کرنا مشکل نظر آنے لگا اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اسلامی معاشرہ کی حیثیت بہت جلد ختم ہو جائے گی تو آپ نے کمپنی کے زیر حکومت علاقہ کو دارالحرب قرار دے دیا۔ انیسویں صدی کے ربع اول میں یہ جرأت مندانہ فیصلہ معمولی بات نہ تھی۔ [اس فتوئی] کے دیرپا اور دور رس نتائج صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ انگریزی حکومت کے خلاف علماء کے جہاد کا سلسلہ یہیں سے شروع

ہوتا ہے"(۳۲)

محمد ایوب قادری کی رائے میں بھی شاہ عبدالعزیز نے مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی بحالی کے لیے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوئ دیا، جو نہایت دور رس نتائج کا حامل ایک نہایت انقلاب آفریں قدم تھا۔ اس سے ملت اسلامیہ میں حرارت عمل پیدا ہوگئی۔ اس فتوے نے مسلمانوں کو دعوت فکر و عمل دی کہ نئی حکومت کے قیام کے بعد ان کی حیثیت کیا ہے، اور کھوے ہوئے اقتدار کی بحالی کے کیا امکانات ہیں۔ ایوب قادری کے خیال میں انیسویں صدی عیسوی کی جملہ مسلم تحریکوں کی اٹھان اسی فتوئ پر ہوئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین اور حاجی شریعت اللہ کی فرائضی تحریک اس فتوئ کا عملی مظہر ہیں بلکہ ان تحاریک سے قبل بھی کہیں کہیں اس فتوئ کے عملی مظاہر ملتے ہیں۔ ۱۸۱۶ء میں جب انگریزوں نے باشندگان بریلی (روہیل کھنڈ) پر ہاؤس ٹیکس عائد کیا تو انھوں نے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا اور انگریزوں کے خلاف مفتی محمد عوض، مفتی شہر کی قیادت میں جہاد کیا۔ اس فتوئ کی خاطر خواہ اشاعت ہوئی تا آنکہ اس "فتوئ دارالحرب" کی صدائے بازگشت حدود سندھ تک پہنچی اور شہر ٹھٹھہ میں اس کا اعلان عام ہوا۔ علمائے ٹھٹھہ نے اس فتوئ کے حوالے سے دیار سندھ کو دارالحرب قرار دیا(۳۳)۔ محمد ایوب کے الفاظ میں:

> "دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ) نے دارالحرب کا فتوئ مرتب کیا اور اسی فتوے سے ملک کے دوسرے علماء نے بھی اتفاق رائے ظاہر کیا یہاں تک کہ یہ آواز ٹھٹھہ (سندھ) تک پہنچی۔ اس سے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی سیاسی بیداری اور افکار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی زاویۂ نظر کے تحت جماعت مجاہدین نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی امارت و قیادت میں ملک سے غیر ملکی اقتدار کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی، اور انھوں نے ایک اصلاحی اور سیاسی پروگرام کے ذریعہ ملک میں بیداری کی روح پھونک دی اور ان کی صدائے جہاد سے پورا ملک گونج اٹھا، از بنگال تا پاکستان اور از دہلی تا مدراس اس تحریک کے ڈنکے بج گئے"(۳۴)

اس موقع پر شاہ عبدالعزیز کی سوانح نگار ثریا ڈار کے اخذ کردہ نتائج کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ ثریا ڈار کے خیال میں بھی شاہ صاحب کا بہت بڑا کارنامہ فتوئ دارالحرب ہے۔ ان کے دور میں تو دہلی پر انگریزوں کے قبضے اور ان کے ظلم و ستم سے حالات مزید خراب ہوتے گئے۔ انگریزوں نے ہندوستانی عوام کو سیاسی و معاشی طور پر کمزور کرنے کے بعد ان کے مذہبی شعائر میں بھی دخل اندازی شروع کر دی تھی۔ شاہ صاحب انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ان عیاریوں اور مکاریوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی دوران میں شاہ صاحب کی خدمت میں ایک استفتا پیش ہوا۔ شاہ صاحب نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اپنی دور اندیشی اور تبحر علمی سے انگریزی حلقۂ اقتدار کو دارالحرب سے تعبیر کیا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا اولین فرض قرار دیا۔ چنانچہ ان کے زیر تربیت بے شمار مشائخ و علما انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی پر اتر آئے(۳۵)

جدید الخیال دانشوروں کی تعبیرات و توجیہات

اس معروف اور مقبول عام نقطۂ نظر کے برخلاف جدید الخیال دانش وروں اور محققین کے ایک گروہ نے، جس میں پروفیسر

محمد مجیب (۳۶) مشیر الحق (م ۱۹۹۰ء)، سید اطہر عباس رضوی اور محمد خالد مسعود کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں، شاہ عبدالعزیز کے فتاوئی دارالحرب کی ایک بالکل مختلف تعبیر پیش کی ہے۔ اس تعبیر سے دارالحرب سے وابستہ ہجرت و جہاد کے تصورات کی نفی ہوتی ہے۔ محققین کے اس گروہ میں سے مشیر الحق نے شاہ صاحب کے فتاوئی دارالحرب اور اس کے قانونی اور سیاسی ومعاشی مضمرات پر سب سے زیادہ مدلل اور مفصل بحث کی ہے (۳۷)۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھی کے استدلال پر ایک نظر ڈالی جائے۔

مشیر الحق کے خیال میں شاہ عبدالعزیز کے فتاوئی دارالحرب کا مدعا و مقصد ہندوستان کی دستوری وشرعی حیثیت کا تعین کر کے اسلامیان ہند کو ملک سے ہجرت یا پھر انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد و مزاحمت کے لیے انگیز کرنا نہیں بلکہ ان کے سماجی واقتصادی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانا تھا (دارالحرب میں مسلمانوں کیلئے سودی معاملات کو سند جواز فراہم کر کے)۔ مشیر الحق کی رائے میں شاہ صاحب کے منشاء کے برعکس بعض سیاسی اغراض سے (بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں جاری تحریک آزادی کے دوران میں عامۃ الناس میں جذبۂ حریت و آزادی کو بیدار کرنے اور بالخصوص جنگ آزادی کی فوج میں نئے سپاہیوں کو بھرتی کرنے کیلئے) تحریک آزادی میں پیش پیش علماء نے ان (شاہ صاحب) کے فتاوئی دارالحرب سے خوب کام لیا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی حصہ کے ہندوستان میں کیونکہ انگریز دشمنی کا رجحان عام تھا اس لیے وہ سیاسی حیثیت سے تاریخ کی حسب منشا تعبیر وتشریح کے لیے بہت ہی مناسب تھا۔ چنانچہ علماء کی طرف سے دانستہ طور پر شاہ عبدالعزیز کے فتاوئی کی حسب ضرورت سیاسی وانقلابی تعبیر وتشریح کی گئی اور ان سے فریضہ جہاد و ہجرت جیسے مفاہیم ومطالب کا استنباط کیا گیا (۳۸)۔ مشیر الحق نے شاہ عبدالعزیز کے فتاوئی سے علماء کے اخذ کردہ نتائج کو پوری قوت سے چیلنج کیا ہے۔ وہ علماء کی اس تشریح وتعبیر کو کہ "شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد کیا تھا"، حقیقت سے عاری ایک مفروضہ اور ایک علمی مغالطہ قرار دیتے ہیں (۳۹)۔ ذیل میں مشیر الحق کے قائم کردہ استدلال کے اہم نکات درج کیے جاتے ہیں:

ا۔ ہندوستان کی بدلتی ہوئی صورت حال نے اس وقت کے مسلمانوں کے سامنے چند اہم معاشی مسائل لاکھڑے کیے تھے اور وہ ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے بےچین تھے، اور شاہ عبدالعزیز کے فتاوئی ایسے ہی مسائل کے حل کی طرف رہنمائی کر رہے تھے (۴۰)۔ مشیر الحق کے الفاظ میں:

> "دارالحرب کے سلسلے میں ایک بہت ہی اہم بات جو عام طور سے نظر انداز کر دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دارالاسلام، دارالحرب میں تبدیل ہو جانے کے بعد وہاں کی آبادی پر صرف جہاد و ہجرت کا فریضہ ہی عائد نہیں کرتا بلکہ انھیں چند ایسے حقوق بھی عطا کرتا ہے جو اس سے قبل انھیں دارالاسلام میں حاصل نہیں کیے تھے مثلاً دار کی تبدیلی اگر مسلمانوں پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ دارالحرب کو دوبارہ دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں تو دوسری طرف انھیں یہ حق بھی عطا کرتی ہے کہ وہ غیر مسلموں سے سودی لین دین کر سکیں، جس کی انھیں پہلے اجازت نہیں تھی۔ اس کلیہ کو ذہن میں رکھ کر جب ہم شاہ صاحب کے ان تمام فتووں کا یکجائی مطالعہ کرتے ہیں جو ہندوستان کی حیثیت شرعی سے متعلق ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے

کہ اس وقت جن لوگوں کو بھی دارالحرب کے مسئلے سے دلچسپی تھی انھیں اپنے فرض سے زیادہ اپنے حق [سودی لین دین] کی فکر تھی''(۴۱)

۲۔ شاہ صاحب کے مجموعہ فتاویٰ میں ہمیں جتنے بھی سوالات دارالحرب سے متعلق ملتے ہیں، ان میں ایسا کوئی سوال ہمیں نہیں ملا جس میں پوچھا گیا ہو کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت یا جہاد کا فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ ان میں سے کسی ایک سوال سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ پوچھنے والے کو اس بات کی فکر تھی کہ اگر ہندوستان، جو اس وقت تک کم از کم نظری طور پر دارالاسلام تھا، دارالحرب ہو گیا ہے تو پھر اسے سابقہ حالت پر واپس لانے کے لیے مسلمانوں کو کیا کرنا ہوگا؟ اس کے برعکس ہر ایک سوال اس وقت کے مسلمانوں کی معاشی اور سماجی حالت کی غمازی کرتا ہے۔(۴۲)

۳۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانان ہند پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد کیا تھا، وہ بھی کھل کر یہ بات نہیں کہتے کہ شاہ صاحب نے واضح الفاظ میں جہاد یا ہجرت کا حکم دیا تھا۔ فتویٰ کا یہ مطلب وہ اس کے بین السطور سے نکالتے ہیں [سید محمد میاں مؤلف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کی طرف اشارہ ہے]۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت کی سیاسی صورت حال کے باعث شاہ صاحب کھل کر نہ تو جہاد کا حکم دے سکتے تھے اور نہ ہجرت کی تبلیغ کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک شرعی اصطلاح کا سہارا لے کر اپنے ضمیر کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔(۴۳)

۴۔ اس سلسلے میں مشیر الحق نے یہ اہم اور بنیادی سوال اٹھایا ہے ''کہ اگر شاہ صاحب نے جہاد یا ہجرت کا حکم دیا تھا تو پھر ان کی زندگی میں لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور اگر اس فتویٰ پر عمل کرنا مقصود نہ تھا تو پھر لوگ خواہ مخواہ یہ سوال ہی کیوں پوچھ رہے تھے؟''(۴۴)۔ مشیر الحق نے زیر بحث فتاویٰ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شاہ صاحب دارالحرب سے ہجرت اس وقت تک ضروری قرار نہیں دیتے جب تک کہ شعائر مذہبی کو ادا کرنا حکومت کی طرف سے باقاعدہ ممنوع قرار نہ دے دیا گیا ہو(۴۵)۔ مشیر الحق کے خیال میں اگرچہ شاہ صاحب کے بعض فتاویٰ سے مترشح ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد وہاں سے ہجرت کر جانا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ وہ شاہ صاحب کے اس طرز عمل پر معترض تھے کہ وہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے باوجود بھی وہاں قیام پذیر رہے۔ شاہ صاحب کا یہ طرز عمل ان معترضوں کی نظر میں خلاف شریعت تھا۔ تاہم شاہ صاحب نے اس اعتراض کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔ ان کے خیال میں صرف ایسے دارالحرب سے ہجرت فرض تھی جہاں مسلمانوں کو اپنے شعائر دینی ادا کرنے کی قطعی ممانعت ہو۔ ہندوستان میں چوں کہ مسلمان اپنے شعائر دینی مثلاً اذان، نماز، قربانی وغیرہ کی ادائیگی میں آزاد تھے اس لیے شاہ صاحب کی رائے میں ہندوستان دارالحرب ہوتے ہوئے بھی اس زمرے میں نہیں آتا تھا جہاں سے ہجرت کرنی ضروری ہوتی(۴۶)

مشیر الحق نے اپنے تئیں انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کے بارے میں شاہ صاحب کا موقف متعین کرنے کی سعی بھی کی ہے۔ ان کی رائے میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک فتویٰ میں جہاد کی جو تعریف کی ہے وہ بعینہ وہی ہے جسے انیسویں صدی کے اختتام پر سرسید احمد خان، سید امیر علی اور مولوی چراغ علی وغیرہ نے اختیار کیا تھا۔ (۴۷) شاہ صاحب کے خیال میں "جہاد کی تین قسمیں ہیں، قسم اول جہاد زبانی ہے، اس جہاد کو وعظ ونصیحت، ترغیب وترہیب اور رفع شبہات مخالفین کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ جہاد ہے جس میں مسلمان اس خیال سے جنگی تیاری کرتے ہیں کہ اگر حقیقتاً جنگ کا موقع میسر آ گیا تو پھر انہیں شکست نہ ہو۔ تیسرے نمبر پر وہ جہاد ہے جس میں باقاعدہ دست بدست جنگ ہوتی ہے۔ بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو قسموں کے جہاد میں مشغول تھے۔ قسم سوم میں جو در حقیقت سب سے اونیٰ جہاد ہے، آں حضرت نے شرکت نہیں کی" (۴۸) گویا مشیر الحق کی رائے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی ہندوستان میں غیر مسلم غاصب قوتوں کے خلاف جہاد کے حامی وداعی ہرگز طور پر نہ تھے بلکہ وہ اس کی حرمت وممانعت کے قائل تھے، اور انگریزی اقتدار کی وفادارانہ انقیاد واطاعت کے حامی تھے۔ یوں مشیر الحق نے کمال مہارت سے شاہ عبدالعزیز کو برطانوی ہندوستان کی سابقہ حیثیت (دارالاسلام) کی بحالی کی غرض سے برپا تحریک جہاد کے بانیوں کے بجائے مانعین جہاد اور برطانوی اقتدار کے وفا کیش اطاعت گزاروں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔

سید اطہر عباس رضوی نے شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب اور ان کے پس منظر کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ ان فتاویٰ کا حقیقی مدعا ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کے لیے سودی لین دین کو سند جواز فراہم کرنا تھا۔ ان کی رائے میں اگرچہ دہلی پر انگریزی افواج کے تسلط کے بعد شاہ عبدالعزیز نے اپنے پہلے فتویٰ میں انگریزی اقتدار پر تنقید کی تھی تاہم انگریزی اقتدار کے استحکام اور امن وامان کے قیام کے بعد ان کے طرز فکر وعمل میں تبدیلی آ گئی تھی اور وہ انگریز حکام سے مفاہمت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ چنانچہ اب انگریز حکام کے بارے میں ان کا صرف یہی ایک اعتراض باقی رہ گیا تھا کہ مذہب کے بارے میں ان کا رویہ لاتعلقی وسرد مہری کا ہے۔ تاہم شاہ صاحب کی رائے میں اس سے (انگریزی حکام کی مذہب کے باب میں لاتعلقی وسرد مہری) مسلمانوں کے مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی مفادات ومصالح پر کوئی زد نہ پڑتی تھی۔ اطہر عباس کے خیال میں دہلی میں انگریزی حکام کی طرف سے شاہ صاحب کے حق میں مدد معاش گرانٹ کے اجرا کا شاہ صاحب اور ان کے متبعین پر بہت گہرا اثر پڑا اور انہوں نے انگریزی حکومت سے دست تعاون بڑھانے کا آغاز کیا۔ اطہر عباس کی رائے میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے فتاویٰ میں برطانوی حکومت کے خلاف جہاد یا دارالحرب سے ہجرت سے متعلق ہرگز طور پر کچھ نہیں کہا۔ (۴۹) اس کے برعکس جب شاہ عبدالعزیز کے ایک عقیدت مند نے ان پر سخت تنقید کی اور ان کو لکھا کہ وہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے باوجود اس ملک سے ہجرت کیوں نہیں کر جاتے تو شاہ صاحب نے جواب میں لکھا کہ ہجرت صرف ایسے دارالحرب سے فرض ہے کہ جس کے کافر حکمران اپنے مسلم رعایا کو دینی فرائض وشعائر نماز، روزہ، نماز جمعہ وعیدین، اذان اور ختنہ وغیرہ کی ممانعت کر دیں؛ البتہ ایک ایسے دارالحرب کہ جہاں مسلمان اپنے مذہبی فرائض وشعائر کی بجا آوری اور اپنے دین وعقیدے کی تبلیغ میں آزاد ہوں، وہاں سے ہجرت کرنا ہرگز طور پر فرض نہیں۔ البتہ جس دارالحرب سے ہجرت کرنا ناگزیر ہو جائے، وہاں سے بھی ہجرت اس وقت تک فرض نہیں ہوتی جب تک

کہ کوئی محفوظ و مامون ٹھکانہ (دارالہجرت) میسر نہ آ جائے۔ اطہر عباس نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استدلال و استشہاد کیا ہے، کہ آپ نے تیرہ سال تک مکے میں انتہائی کٹھن اور نامساعد حالات کا مقابلہ صبر و استقامت سے کیا اور مدینہ میں ایک محفوظ پناہ گاہ اور دارالہجرت میسر آ جانے پر ہی مکہ سے ہجرت فرمائی۔ (۵۰) اطہر عباس کی رائے میں شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں برطانوی اقتدار کے ماتحت علاقوں سے ہجرت فرض نہ تھی۔ ان کے فتاویٰ دارالحرب کا مدعا و مقصد مسلم عوام کو انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد و مزاحمت کے لیے تحریک دینا ہرگز نہ تھا۔ (۵۱) اطہر عباس رضوی نے خلیق احمد نظامی، سید ابوالحسن علی ندوی، اور دیگر علما و مؤرخین کے نقطۂ نظر پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی ہے اور اسے بے اصل قرار دیا ہے۔ (۵۲)

محمد خالد مسعود نے شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی جو تعبیر کی ہے وہ اس باب میں مشیر الحق اور سید اطہر عباس رضوی کے اخذ کردہ نتائج سے کلی طور پر ہم آہنگ ہے۔ (۵۳) انھوں نے دارالحرب سے متعلق شاہ صاحب کے فتاویٰ کے داخلی (متنی تنقید و تحلیل) تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مستفتیوں (سوال کنندگان) نے ہجرت اور جہاد کی فرضیت کے بارے میں نہیں بلکہ دارالحرب میں کفار کی خرید و فروخت اور سودی لین دین کے بارے میں سوال کیے تھے چنانچہ شاہ صاحب نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی توثیق تو کر دی لیکن اس کے بعد نہ ہجرت کا فتویٰ دیا تھا نہ جہاد کا۔ (۵۴)

خالد مسعود نے اس خیال کو بے اصل ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ شاہ عبدالعزیز ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے بارے میں مخاصمانہ و معاندانہ جذبات رکھتے تھے یا پھر انگریزوں کو معاندین اسلام میں شمار کرتے تھے۔ اہل دیوبند کی عمومی تعبیر و توجیہ کے برعکس انھوں نے ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں درج بعض واقعات کی روشنی میں شاہ صاحب اور دہلی کے انگریز حکام کے مابین موالات کو ثابت کیا ہے۔ ان کے خیال میں شاہ صاحب انگریزوں کے دشمن تھے نہ انگریز شاہ صاحب کے۔ (۵۵) دہلی کے انگریز حکام خصوصاً مٹکاف خاندان کے افراد کے شاہ صاحب سے عقیدت مندانہ تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ جبکہ ریذیڈنٹ سٹین اور ولیم سکر وغیرہ ان کے ساتھ نیاز مندانہ حاضر ہوتے ہیں۔ ریذیڈنٹ سٹین نے شاہ صاحب کے لیے یادگار عمارت تعمیر کرائی اور ولیم سکر نے تو اپنے بچوں کے لیے شاہ صاحب سے تعویذ بھی لکھوائے۔ شاہ صاحب کی جائداد جو مغل دور میں ضبط ہو گئی تھی سٹین کی کوششوں سے واگزار ہوئی۔ شاہ صاحب انگریزوں کی جنگی صلاحیتوں کے مداح تھے۔ (۵۶)

خالد مسعود کی رائے میں بھی اہل دیوبند نے (خصوصاً مولانا عبید اللہ سندھی اور سید محمد میاں نے) سیاسی ضرورتوں کے تحت شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی تعبیر و توجیہ کی اور اسے انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد قرار دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ شاہ صاحب کے فتویٰ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے معانی پیدا کرنے کے لیے اس کو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی تحریک جہاد کے تسلسل میں پیش کیا۔ (۵۷) خالد مسعود نے علمائے دیوبند کے علاوہ تجدید و احیائے دین کے تصور کے حامی و داعی اہل قلم خصوصاً مسعود عالم ندوی و سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ، کے طرز فکر پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے کہ جنہوں نے بلا تامل تجدید دین کی تاریخی تعبیر کے عمومی خد و خال کو قبول کر لیا اور شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب نیز سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کی تحریک جہاد کا مدعا و مقصد اسلامی

حکومت کا قیام تعبیر لیا۔(۵۸)

خالد مسعود کی رائے میں شاہ عبدالعزیز کا مطمع نظر ریاست کا قیام ہرگز نہ تھا، بلکہ ان کے نزدیک مذہبی معاشرت ریاست کی سرپرستی کے بغیر بھی ممکن تھی۔ چنانچہ انھوں نے ملک میں مسلم اقتدار کے احیاء کے بجائے "مذہبی معاشرت کو خود مختار اور سیاسی نظام اور ریاست کی احتیاج سے آزاد ور کردینی اقدار کی حفاظت کی فکر دی تھی"، جو "بیسویں صدی کی ریاست پسند سیاسی اسلامی فکر کی تاریخی تعبیر میں نظروں سے اوجھل ہوگئی"(۵۹)

شاہ عبدالعزیز اور کے خلفاء و تلامذہ کا طرز فکر و عمل

شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب اور ان کے مضمرات (ہجرت و جہاد کی فرضیت اور سودی لین دین کے جواز) سے متعلق مذکور الصدر دونوں گروہوں کی متخالف و متباین تعبیرات سے قطع نظر اس امر کا جائزہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے بعد جہاد و ہجرت کے بارے میں خود شاہ عبدالعزیز کا طرز عمل کیا رہا نیز ان کے اقرباء اور تلامذہ و خلفاء کا طرز فکر و عمل کیا رہا۔

شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا تو اس کے بعد اپنے فتاویٰ، مکتوبات اور ملفوظات میں کہیں بھی مسلمانوں پر ہجرت و جہاد کی فرضیت کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ البتہ دارالسلطنت دہلی کی مخدوش حالت کے پیش نظر وہاں سے رام پور (روہیل کھنڈ) کی طرف ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا۔(۶۰) انہوں نے اخوان زادہ مولوی عبدالرحمن رام پوری (جو رام پور کے بڑے ذی مرتبت صاحب علم وفضل بزرگ تھے) اور ان کے بھائیوں کے نام ایک مکتوب میں کفار کے تسلط اور ان کی جارحانہ کارروائیوں کے بارے میں بڑے دلدوز انداز میں تحریر فرمایا:

کافروں کا غلبہ اور ان کی کارروائیوں سے مسلمانوں کے ذرائع معاش خصوصاً علما اور فقراء کے مسدود ہیں اور زندگی تلخ ہے۔ خدائے تعالیٰ اسلام کو غلبہ اور ظاہری و باطنی جمعیت عطا فرمائے۔(۶۱)

شاہ صاحب مولوی عبدالرحمن اور ان کے بھائیوں کے نام ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

اس ملک میں جب سے جاٹ اور مرہٹہ قوموں کو غلبہ ہوا ہے اسلام کی ظاہری صورت جو پہلے تھی، اگرچہ وہ بھی حقیقت (معنی) سے خالی تھی اب بالکل ہی بگڑ گئی ہے۔ تمام مسلمانوں کو عام طور پر اور خصوصاً علما کو ان کی طرف سے طرح طرح کی ایذا پہنچتی ہے۔ لہٰذا یہاں [دہلی] سے پکا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی طرف کو ہجرت کر جانی چاہیے۔ مگر اس ملک [رام پور، روہیل کھنڈ] کے سوا ملک ہندوستان میں کہیں مسلمانوں کا مجمع نہیں ہے، کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جس کی طرف ہجرت کی جائے مگر اس ملک [رام پور] کے لوگوں کے برے عقائد [شیعیت] کا سن کر ہم لوگ توقف کرتے ہیں اور چار و ناچار ابھی تک دارالحرب میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اگر کیفیت اضطرار پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت مجبوراً شاید اس طرف رخ کریں اور اس جگہ [رام پور] کے امراء اور دولت مندوں کے فاسد عقیدوں کو دور کر سکیں۔(۶۲)

مذکورہ اقتباسات سے دارالسلطنت سے ہجرت سے متعلق شاہ عبدالعزیز کے عزم و ارادے کا اظہار ضرور ہوتا ہے، تاہم

انھوں نے اسے عملی جامہ نہیں پہنایا۔

اگرچہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے ملفوظات ومکتوبات میں بھی اسلامیانِ ہند کو غیر مسلم جارح قوتوں کے خلاف جہاد کی تحریک نہیں کی، تاہم ان کا تحریک مجاہدین سے ارتباط بالضرور ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سید احمد بریلوی (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) اور مولانا شاہ اسماعیل (۱۷۷۹ء۔۱۸۳۱ء) کی تحریک ہجرت واقامتِ جہاد کے حقیقی منصوبہ ساز اور سرپرست شاہ صاحب ہی تھے، اور انھوں نے اس تحریک کی بھرپور نصرت وحمایت کی تھی۔ بالفاظ دیگر شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کی سیاسی وشرعی حیثیت کے تعین کی غرض سے محض چند فتاویٰ صادر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی سعی وکوشش سے ایک زبردست تحریک جہاد ومقاومت کی بنیاد بھی رکھ دی۔ (۶۳)

شاہ عبدالعزیز نے اپنے خاندان کے متعدد افراد کو جن میں ان کے داماد مولانا عبدالحی (م: ۱۸۲۸ء) اور بھتیجے شاہ اسماعیل شہید بطور خاص قابلِ ذکر ہیں، سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی تحریک کی۔ شاہ صاحب ان دونوں کے علم وفضل کے معترف وقدردان تھے۔ اپنے ایک مکتوب میں شاہ صاحب نے مولانا عبدالحی کو شیخ الاسلام اور مولانا شاہ اسماعیل کو حجۃ الاسلام کے القابات سے یاد کیا اور دونوں کو تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علمائے محققین کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی اپنے متوسلین کو تاکید کی کہ ''ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو، اور جو اشکال حل نہ ہوں ان کے سامنے پیش کرو۔ (۶۴) شاہ عبدالعزیز کے خاندان کے اکثر افراد شاہ صاحب کی اجازت سے مع اہل خاندان واقربا سید احمد کے مرید ہوئے۔ مرشدِ وقت شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں ان اکابر کا کسی دوسرے کی بیعت میں داخل ہونا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا بڑا چرچا ہوا اور جوق در جوق علماء وفضلاء بیعت ہونے لگے۔ ساتھ ہی اطراف واکناف سے دعوت نامے آنے لگے۔ (۶۴/ب)

سید احمد بریلوی نے اپنے دونوں معتمد رفقاء (مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل) کی معیت میں ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء کے دوران میں روہیلکھنڈ اور دوآبے کے دعوتی واصلاحی دورے کا آغاز کیا تو شاہ عبدالعزیز کے ایماء اور مشورے سے۔ رخصت کرتے وقت شاہ صاحب نے سید احمد کو اپنا لباس خاص پہنایا اور بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ (۶۵) اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی، رائے بریلی، روہیلکھنڈ اور مظفرنگر وسہارن پور کے علاوہ دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے خاندان ولی اللہی کے فیض یافتہ اکابر علماء ومشائخ کی ایک بڑی تعداد نے شاہ عبدالعزیز کے منشا کو بھانپتے ہوئے سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (۶۶) سید احمد نے اپریل ۱۸۲۴ء میں حج سے واپسی پر شاہ عبدالعزیز کی زندگی ہی میں نئے عزم کے ساتھ دعوتی واصلاحی دورے کا آغاز کیا تو اصلی زور ہجرت وجہاد پر تھا۔ چنانچہ ان کے ایماء پر مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی مختلف شہروں میں وعظ کہتے اور بیشتر جہاد اور فضیلتِ شہادت بیان کرتے۔ (۶۷)

۱۸۲۶ء میں جب سید احمد بریلوی، خاندان ولی اللہی کے افراد کی رفاقت میں سفر ہجرت وجہاد پر روانہ ہوئے، تو شاہ عبدالعزیز وفات پا چکے تھے، لیکن دہلی میں ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق (۶۸) اور ان کے برادر شاہ محمد یعقوب نیز داماد مولوی سید نصیر الدین دہلوی (شاہ رفیع الدین دہلوی کے نواسے) اس تحریک کے پشت پناہ تھے۔ انھوں نے مجاہدین کی روانگی،

سامان رسد نیز مالی امداد کی ترسیل وغیرہ امور اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ شاہ اسحاق مدینے کی طرف ہجرت (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء) تک بدستور تحریک مجاہدین کے پشتیبان رہے(۶۹)۔ جب حادثہ بالاکوٹ کے بعد تحریک جہاد سرد پڑنے لگی تو ان کے داماد مولوی سید نصیر الدین دہلوی نے بذات خود میدان جہاد میں جا کر عملاً حصہ لینے اور معرکہ جہاد پھر سے تازہ کرنے کا عزم کرلیا۔ اور بالآخر ایک قافلہ لے کر ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء میں نکل کھڑے ہوئے۔ ۱۲۵۵ھ/۱۸۴۰ء میں سید نصیر الدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا رخ سکھوں کے بجائے انگریزوں کی طرف ہو گیا۔ چنانچہ افغان سردار دوست محمد نے لارڈ آک لینڈ کی سرکردگی میں اس خطے میں موجود انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو مجاہدین سے نصرت طلب کی۔ مولوی نصیر الدین اور ان کے رفقاء اس کی فوج کے شانہ بشانہ غزنی کے مقام پر انگریزوں کے خلاف برسر پیکار رہے۔ دفاع غزنی کی مہم میں سید نصیر الدین کے رفقاء جن کی تعداد ۳۰۰ کے لگ بھگ تھی، کی بڑی تعداد مرتبہ شہادت پر فائز ہوئی۔(۷۰)

شاہ عبدالعزیز کے خلفاء اور تلامذہ (خصوصاً مولوی عبدالحی، سید احمد بریلوی، اور مولوی شاہ اسمٰعیل جنہوں نے تحریک احیائے جہاد میں مرکزی کردار ادا کیا) نے ہندوستان کے دارالحرب قرار پانے کا لازمی تقاضا ہجرت و جہاد ہی کو جانا۔ ان کے دینی وسیاسی فکر میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا تصور ہجرت و جہاد کے ساتھ گہرے طور سے مربوط رہا(۷۱)۔ ان کے اس طرز فکر کا اظہار ان کے فتاویٰ اور مکاتیب و رسائل میں ہوا، جو شاہ عبدالعزیز کی زندگی ہی میں (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) ہی میں منظر عام پر آ گئے تھے(۷۲)۔ شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور داماد مولانا عبدالحی بڈھانوی کے علاوہ برادر زادہ مولانا شاہ اسمٰعیل نے بھی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ مولانا عبدالحی اور شاہ اسمٰعیل دونوں نے دارالحرب کے مسئلہ کا حل جہاد و ہجرت میں تلاش کیا۔ ان کی برپا کردہ تحریک اصلاح و جہاد کے زمانے میں برطانوی ہندوستان کی شرعی حیثیت سے متعلق جو فتاویٰ منظر عام پر آئے ان کے متعلق ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے:

> ''وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتووں۔۔۔۔ اُن میں سے دو فتوے یعنی ایک تو شمس الہند مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور دوسرا اُن کے بھتیجے [شاگرد اور داماد] مولانا عبدالحی کا سب سے زیادہ اہم ہیں۔ جب ہم نے نظام حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو اُس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ اُن کے تعلقات کیا ہونے چاہئیں۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علماء سے رجوع کیا اور اوپر کے دونوں علماء نے ان کے جواب میں فتوے صادر فرمائے...... جوں جوں ہماری طاقت مضبوط ہوتی گئی علماء کے فتووں میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا زیادہ نمایاں ہوتا گیا...... ان فتووں سے عملی نتائج بھی مترتب ہوئے۔ وہابیوں نے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں (انگریزوں) کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے''(۷۳)

مولانا عبدالحی نے جو فتویٰ جاری کیا اسے ہنٹر نے اپنی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان میں نقل کیا ہے۔ ہنٹر کے نقل کردہ اس فتویٰ کے مطابق مولانا عبدالحی صاحب صاف طور پر حکم لگاتے ہیں:

"عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک (یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے) تک سب کی سب دارالحرب ہے، کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دارالحرب ہے۔(۷۴) "سلطنت شاہ جہان آباد (دہلی) اسم محض بلا حقیقت است کہ اصلاً معنی از سلطنت نماندہ" (۷۵)

مولانا عبدالحی نے اپنی ایک تحریر میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار کی وجہ سے تمام مسلمانوں پر جہاد کو فرض (فرض عین) قرار دیا۔ مولانا نے جہاد کے فرض کفایہ اور فرض عین کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"شہرے از اہل اسلام بدست کفار افتادہ تا بہ حکم رانی کنند، پس بذمہ ہمہ مسلمین فرض است کہ سعی در دفع کفار از آن شہر بعمل آرند۔ وایں صورت در اکثر بلاد ہندوستان پدید ارشدہ چنانچہ پوشیدہ نیست۔ پس بر ہمہ مسلمین مقابلہ فرض است" (۷۶)

ترجمہ: "مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار کا قبضہ ہو جائے اور وہ وہاں حکمرانی کرنے لگیں تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس شہر سے کفار کا تسلط ختم کرنے کی سعی کریں۔ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں یہ صورت پیش آ چکی ہے جو مخفی نہیں ہے پس تمام مسلمانوں پر اس کا مقابلہ فرض ہے"

مولانا شاہ اسماعیل نے بھی شاہ عبدالعزیز کی طرح ہندوستان میں کفار (انگریزوں اور سکھوں) کے تسلط و اقتدار کے قیام و استحکام اور مسلمانوں کی محکومی و بے بسی نیز اسلامی شریعت کے تعطل و التواء کی بناء پر اس ملک کو دارالحرب سے تعبیر کیا اور اسی لحاظ سے انہوں نے انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کی حیثیت کو مصر میں فرعون کے ماتحت بنی اسرائیل کی حیثیت کے مساوی و مماثل قرار دیا۔ مولانا شاہ اسماعیل کا فتویٰ دارالحرب شاہ عبدالعزیز کے فتوے سے اس اعتبار سے بڑی گہری موافقت رکھتا ہے کہ اس میں انھوں نے کسی دارالاسلام کی دارالحرب میں تبدیلی کے لیے اقتدار و حکومت کی تبدیلی کو شرط اساسی قرار دیا ہے۔ گویا اس فتوے میں انھوں نے شاہ عبدالعزیز کے نقطۂ نظر کا مکمل طور سے تتبع کیا ہے۔ چنانچہ شاہ اسماعیل کی رائے میں بھی کسی مسلم علاقے یعنی دارالاسلام پر غیر مسلم اقتدار و حکومت کے قیام اور وہاں سے اسلامی قانون کی فرمانروائی اور عملداری کے تعطل و خاتمے سے وہ علاقہ دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔(۷۷)

شاہ عبدالعزیز اور ان کے تلامذہ و رفقاء کے ان فتووں کے عملی نتائج بھی مرتب ہوئے۔ بقول ہنٹر: "ان فتووں سے عملی نتائج بھی مترتب ہوئے۔ وہابیوں نے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے" (۷۸)

سید احمد بریلوی اپنے مربی و مرشد شاہ عبدالعزیز دہلوی اور اپنے معتقدین خاص شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کی طرح کو مجتہد و فقیہ اور مفتی تو نہ تھے تاہم وہ بالیقین برِ عظیم کو انگریزوں اور سکھوں کے تسلط و اقتدار کے تحت دارالحرب ہی سمجھتے تھے، اور اس

ملک کو پھر سے دارالاسلام بنانے کے لیے جہاد کو شرعی فریضہ خیال کرتے تھے۔ سید احمد کے ملفوظات و مکتوبات میں صریح طور پر اس امر کا ذکر موجود ہے کہ انگریزوں کے تسلط کی وجہ سے ہندوستان دارالحرب ہوگیا ہے۔ صراط مستقیم (جس کا زمانہ تصنیف ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء ہے(۷۹)) میں ان کا یہ بیان مذکور ہے:

''حال ہندوستان را دریں جز و زماں کہ سنہ یک ہزار و دوصد و سی و سوم است کہ اکثرش درایام دارالحرب گردیدہ''(۸۰)

ترجمہ: ''اس وقت کہ ۱۲۳۳ھ ہے ہندوستان کا اکثر حصہ دارالحرب بن چکا ہے''

تحریک جہاد کی داغ بیل شاہ عبدالعزیز کی زندگی ہی میں ڈالی گئی۔ ۱۸۲۴ء میں شاہ صاحب کی وفات کے بعد مجاہدین کی تنظیم اور جہاد کے آغاز کی تمام تر ذمہ داری سید احمد کے کندھوں پر آن پڑی۔ جہاد کی غرض سے انھوں نے مسلم امراء، نوابوں نیز بعض معاصر سلاطین اور فرماں رواؤں کو خطوط لکھے جن میں مسلمانوں کی زبوں حالی و بے کسی اور اسلامی شعائر کی پامالی و بے حرمتی بیان کرنے کے علاوہ تحریک جہاد کا مدعا و مقصد بھی واضح کیا گیا۔(۸۱) سید احمد کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک سے انگریزوں اور دوسرے غیر مسلموں (سکھوں) کے اقتدار کے خاتمہ کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مکاتیب میں ہجرت و جہاد کی نسبت اپنے خیالات و احساسات کا اظہار تواتر و تسلسل کے ساتھ کیا ہے، اور بتفصیل ان اسباب کی نشان دہی کی ہے جو تحریک ہجرت و جہاد کے محرک ہوئے۔ ذیل میں ان کے مکاتیب سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، جن سے ان کی تحریک ہجرت و جہاد کے مقاصد پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ سید صاحب شاہ سلیمان والی چترال کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور ظلم بیداد شروع کردی ہے۔ کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ ہوگیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا۔ دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے''(۸۲)

سید صاحب وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:

''جناب کو معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے [انگریز] سلطنت [سلطنت مغلیہ] کے مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے اہل حکومت اور اُن کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔ جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سرو سامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوگئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے''(۸۳)

غلام حیدر خاں، جو گوالیار کے ایک فوجی افسر تھے، کے نام لکھتے ہیں:

''ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی

ہے۔ ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی۔ کسی کو ان کے مقابلے کی تاب نہیں۔ بلکہ ہر ایک اُن کو
اپنا آقا سمجھنے لگا ہے چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت اُن کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔
اس لیے چند کمزور و بے حقیقت اشخاص نے اُس کا بیڑا اٹھایا۔" (۸۴)

سید احمد کے مکاتیب سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے تسلط و اقتدار کو مسلمانوں کے ملی وجود کے لیے حقیقی خطرہ سمجھتے ہیں اور ان کی تحریک جہاد کا مقصد صرف سکھوں سے نبرد آزمائی نہ تھا بلکہ ان کا اہم ہدف کفار فرنگ و نصاریٰ تھے۔ بالفاظ سید ابوالحسن علی ندوی: "ان مکاتیب سے یہ امر ہویدا ہے کہ سید صاحب کو مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ، ہندوستان پر کفار کا تسلط اور اسلام کے زوال کا مشاہدہ بے چین کر رہا ہے۔ چنانچہ سید صاحب انگریزوں کی طرف سے لاحق خطرات کے ازالے اور ان "بیگانگان بعید الوطن" اور "تاجران متاع فروش" کے تسلط سے آزادی نیز ان کے اس خطے سے اخراج کے لیے ذی اثر افراد اور اہل حکومت و طاقت کو اپنے ساتھ جد و جہد کرنے اور تعاون کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی عزت و منزلت اور ان کی ریاست و حکومت کا بقاء و احیاء اسی پر منحصر ہے کہ انگریزی غلبہ و اقتدار کا یہ سرطان ہندوستان کے جسم سے خارج کر دیا جائے اور ملک کو اس غیر ملکی طاقت کے چنگل سے نکال لیا جائے۔ اُن کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ اور بلاد اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت ہر غیور اور فرض شناس مسلمان سے جہاد کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ سلطنت کے بغیر نہ دین کا قیام ہو سکتا ہے اور نہ احکام شرعی کا نفاذ ممکن ہے۔ گو سید صاحب صرف آزادی ملک اور انگریزوں کے اخراج کے ہی داعی نہ تھے ان کا مقصد صرف پردیسیوں کی حکومت کا ختم کر دینا ہی نہیں تھا، ان کا اصلی و حقیقی محرک یہ تھا کہ اسلام اس ملک میں بے پر و بال اور مجبور و مفلوج تھا اور سیاسی قوت و طاقت نہ ہونے کی وجہ سے الٰہی قوانین و احکام کے اجراء کا کوئی موقع نہ تھا اور مسلمان ذلت و اہانت اور شعائر اسلام تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنے تھے۔" (۸۵)

شاہ عبدالعزیز اور ان کے خلفاء و تلامذہ کے طرز فکر و عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب کا مدعا و مقصد محض اہل اسلام کے "اقتصادی مفادات و مصالح" کا تحفظ ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی سیاسی آزادی و حریت کا تحفظ بھی تھا، جو صرف جہاد بالسیف ہی کے ذریعے ممکن ہو سکتا تھا۔ اس کی تائید متعدد دیگر شواہد و قرائن سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ شاہ عبدالعزیز اور ان کے خلفاء و تلامذہ کے بعد بھی علماء کے فتاویٰ اور رسائل میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا تصور ہجرت اور جہاد کے تصورات سے عمیق طور سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ گو سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کی بالاکوٹ میں شہادت (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۶ مئی ۱۸۳۱ء) کے بعد غیر مسلم اقتدار و تسلط کے خلاف تحریک جہاد کا اہم باب ختم ہو گیا تاہم ان کے جہادی و اصلاحی افکار نے غیر مسلم تسلط و اقتدار کے خلاف جہاد و مقاومت کے جذبے کو زندہ و توانا رکھا۔ چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں وقفے وقفے سے انگریزی تسلط کے خلاف جہاد کے حق میں فتاویٰ منظر عام پر آتے رہے اور علم جہاد بھی بلند ہوتا رہا۔ (۸۶) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک جن مصلحین اور علماء نے انگریزی اقتدار کے خلاف علم جہاد بلند کیا انہوں نے اپنے فتاویٰ نیز رسائل و مکاتیب میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اس کی

سابقہ حیثیت کی بحالی کے لیے ہجرت و جہاد کو شرعی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں بنگال کی فرائضی تحریک کے قائدین کے فتاویٰ۔(۸۷) کے علاوہ علمائے سندھ کے فتاویٰ۔(۸۸) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران میں علماء نے عامۃ المسلمین کو اس میں شمولیت کی ترغیب و تحریک کے طور پر جو فتاویٰ جاری کیے ان میں بھی برطانوی تسلط و اقتدار سے استخلاص کے لیے جہاد کو دینی فریضہ قرار دیا گیا۔(۸۹) علمائے مظفر نگر وسہارن پور میں سے ایک مقتدر عالم مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۹۰۵ء/۱۳۲۳ھ)، جو شاملی اور تھانہ بھون کے محاذ پر انگریزی فوج کے خلاف معرکہ زن ہوئے، کا فتویٰ دارالحرب اس سلسلے میں بطور خاص قابل ذکر ہے(۹۰)۔ یہ فتویٰ انتہائی مفصل اور خاصا طویل ہے، جس کے مندرجات سے عیاں ہوتا ہے کہ مولانا رشید احمد برطانوی ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ برطانوی تسلط کو توڑنے کے لیے جہاد کو شرعی فریضہ خیال کرتے ہیں۔ ذیل میں استفتاء اور جواب کا کچھ حصہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

سوال: اس مسئلہ میں حضرات علماء عصر کیا فرماتے ہیں کہ بلاد ہندوستان جو آج کل ہر طرح سے نصاریٰ کے تسلط و حکومت میں ہیں، احکام شرعیہ میں ان کو دارالحرب قرار دیا جائے گا یا دارالاسلام؟

الجواب: پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ کسی ملک اور کسی شہر کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار اس پر ہے کہ اس پر غلبہ اہل اسلام کا ہے یا کفار کا۔ بناءعلیہ جو شہر مسلمانوں کے زیر حکومت ہے وہ دارالاسلام کہلائے گا ..... ہماری غرض یہ ہے کہ کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار صرف اسلام یا کفر کے غلبہ پر ہے۔

اور جو ملک یا شہر دارالاسلام تھا پھر اس پر کفار نے غلبہ کر لیا۔ اگر وہاں سے اسلام کا غلبہ بالکلیہ زائل ہو گیا تو وہ ملک اب دارالحرب کے حکم میں ہو گیا اور اگر کفار کا غلبہ تو ہوا مگر بعض حیثیات سے اُس میں اسلام کا غلبہ بھی باقی ہے تو اُس کو اب بھی دارالاسلام ہی کہا جائے گا نہ کہ دارالحرب۔ اتنی بات پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ البتہ اس میں کلام ہے کہ غلبۂ اسلام کے بالکل زائل ہو جانے کی حد کیا ہے؟ سو اس میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ جب کفار نے علی الاعلان احکام کفر کو جاری کر دیا اور مسلمان اپنے غلبہ و قدرت سے بلا اجازت کفار احکام اسلام کو جاری نہیں کر سکتے تو غلبۂ اسلام بالکل مرتفع ہو گیا اور یہ ملک بحکم دارالحرب ہو گیا.... اور جب کہ کفار اپنے احکام کو غلبہ و تسلط کے ساتھ علی الاعلان جاری کرتے ہوں اور مسلمان بلا اُن کی اجازت کے اپنے احکام علی الاعلان جاری رکھنے پر قدرت نہ رکھیں تو وہاں غلبہ اسلام بالکل مرتفع اور زائل ہو گیا اور قیاس اسی کا مقتضی ہے۔

اب ہندوستان کی حالت پر خود غور کر لیں کہ اس جگہ کفار نصاریٰ کے احکام کا اجراء کس قوت و غلبہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی ادنیٰ کلکٹر یہ حکم کر دے کہ مساجد میں نماز ادا نہ کرو تو کسی امیر و غریب کی مجال نہیں کہ ادا کر سکے۔ اور یہ جو کچھ ادائے جمعہ وعیدین اور عمل (بعض) قواعد شرعیہ پر جو کچھ ہو رہا ہے محض ان کے قانون کی وجہ سے کہ انہوں نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہے کسی کو اُس سے مزاحمت کا حق حاصل نہیں۔ اور سلاطین اسلام کا دیا ہوا امن جو یہاں کے رہنے والوں کو حاصل تھا اب اُس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ کون عقل مند کہہ سکتا ہے جو امن شاہ عالم نے دیا ہوا تھا آج بھی ہم اس امن کے ذریعے مامون بیٹھے

ہوئے ہیں۔ بلکہ امن جدید کفار سے حاصل ہوا ہے اور اسی نصاریٰ کے دیے ہوئے امن کے ذریعہ تمام رعایا ہندوستان میں قیام پذیر ہے۔ لیکن اتصال بدارالحرب ہونا ممالک واقالیم عظیمہ کے لیے شرط نہیں بلکہ گاؤں اور شہر وغیرہ کے لیے شرط ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں مدد پہنچانا آسان ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر شاہ کابل یا شاہ روم کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کفار کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں۔ مگر حاشا وکلا یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ ان کا اخراج ہندوستان سے سخت مشکل ہے۔ بہت بڑے جہاد اور عظیم الشان سامان جنگ کو چاہتا ہے۔ بہر حال تسلط کفار کا ہندوستان پر اس درجہ میں ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا تسلط کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور شعائر اسلامیہ جو مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ محض ان کی اجازت سے ہے۔ ورنہ مسلمانوں سے زیادہ عاجز رعایا کوئی نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بھی ایک درجہ کا رسوخ حکومت میں حاصل ہے۔ مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔ البتہ ریاست ٹونک اور رام پور اور بھوپال وغیرہ کہ وہاں کے حکام باوجود مغلوب کفار ہونے کے اپنے احکام کو جاری رکھتے ہیں، ان کو دارالاسلام کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ کی روایات سابقہ سے مستفاد ہوتا ہے۔" (۹۱)

مولانا رشید احمد کے اس فتویٰ دارالحرب کی عبارت پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے خلفاء وتلامذہ (مولانا عبدالحی بڈھانوی اور شاہ اسماعیل شہید) کے فتاویٰ کی روح پوری طرح سے سمودی گئی ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ فتویٰ شاہ عبدالعزیز ہی کے فتویٰ کا نقش ثانی ہے۔ اس فتویٰ سے نہ صرف یہ کہ انگریزی تسلط کے خلاف جہاد ومزاحمت کی تڑپ کا واضح طور پر اظہار ہوتا ہے، بلکہ جنگی وسائل کی قلت اور بے سروسامانی کے سبب ایک طرح کی بے بسی کا اظہار بھی۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کی حرمت وممانعت میں جتنے بھی فتاویٰ ورسائل منظر عام پر آئے ان میں سب سے پہلے برطانوی اقتدار کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے تصور کی تردید کی گئی اور اسے دارالامن، دارالعہد اور دارالاسلام قرار دیا گیا، ساتھ ہی ملک کے نئے غیر مسلم حاکموں کی اطاعت ووفاداری کو فرض جبکہ ان کے خلاف جہاد ومزاحمت کو فساد وبغاوت سے تعبیر کیا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا کرامت علی جون پوری (۱۸۰۰ء-۱۸۷۳ء)، سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۸۰۵ء-۱۹۰۲ء)، نواب صدیق حسن خان (۱۲۴۸ھ-۱۳۰۷ھ/۱۸۳۲ء-۱۸۹۰ء)، ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی (۱۸۴۸ء-۱۸۸۶ء) اور مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ-۱۳۳۸ھ/۱۸۴۰ء-۱۹۱۹ء) کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (۹۲) خود انگریز حکام ۱۸۷۰ء کی دہائی کے دوران میں تحریک مجاہدین کے تحرکات سے متعلق اپنی تحقیق وتفتیش کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے، کہ اس کا اصل محرک ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا تصور ہے، جو مسلمانوں پر جہاد ومزاحمت کو شرعاً واجب ٹھیراتا ہے۔ الہٰذا تحریک حریت وجہاد کے استیصال کیلئے یہ امر ناگزیر ہے کہ علماء وفقہاء سے ایسے فتاویٰ حاصل کر کے شائع کیے جائیں جن میں برطانوی ہندوستان کو دارالحرب کے بجائے دارالاسلام قرار دیا گیا ہو، اور انگریزی حکومت کی اطاعت اور اس سے وفادارانہ وخیر خواہانہ تعلق کو شرعاً فرض قرار دیا گیا ہو۔ (۹۳) چنانچہ انگریز حکام کی تحریک پر ۱۸۷۰ء کے دوران میں خان بہادر مولوی

عبداللطیف (۱۸۲۸ء۔۱۸۹۳ء) اور سید امیر حسین (کمشنر بھاگلپور کے پرسنل اسسٹنٹ) جیسے انگریزی اقتدار کے خیر خواہوں نے بنگال اور شمالی ہند کے بعض علماء کے علاوہ علمائے مکہ سے ایسے فتاویٰ حاصل کیے جن میں برطانوی ہندوستان کو دارالحرب کے بجائے دارالاسلام قرار دیا گیا اور حکومت کے خلاف جہاد کی حرمت و ممانعت پر استدلال قائم کرتے ہوئے اسے فساد و بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔(۹۴)

اختتامیہ

شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کا جائزہ ہندوستان میں مسلم اقتدار کے زوال کے دور میں ابھرتی ہوئی غیر مسلم طاقتوں (مرہٹے، جاٹ، سکھ اور انگریز) کے بارے میں خاندانِ ولی اللہی کے مجموعی طرزِ فکر و عمل کے تناظر ہی میں لیا جانا چاہیے۔اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کے والدِ ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) نیز ان (شاہ عبدالعزیز) کے جانشینوں (خصوصاً ان کے خلفاء اور تلامذہ) کے طرزِ فکر و عمل کو پیشِ نظر رکھنا نہایت اہم معلوم ہوتا ہے۔شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی ہر وہ تعبیر جو ہندوستان میں احیائے دین اور مسلم اقتدار کے تحفظ و احیاء کے لیے ولی اللہی خاندان کے مجموعی کردار کو نظر انداز کر کے کی جائے گی، حقائق کو مسخ کرنے پر منتج ہوگی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دور میں مغلیہ اقتدار تیزی سے روبہ زوال تھا، اور دارالسلطنت دہلی اور دوسرے شہر غیر مسلم قوتوں (سکھ، جاٹ اور خصوصاً مرہٹوں) کی تاخت و تاراج کا ہدف بنے ہوئے تھے۔اس صورتِ حال میں وہ مسلمانوں کی درماندگی اور بے چارگی سے لاتعلق ہو کر مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ہی میں منہمک نہیں رہے، بلکہ انھوں نے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مفکر اور مدبر کے طور پر قائدانہ کردار ادا کیا۔ان کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے سیاسی خلفشار نے انھیں شدید طور سے مضطرب و بے چین کیے رکھا۔چنانچہ انھوں نے اپنے عہد کے مقتدر مسلمان امراء خصوصاً روہیلہ سردار نجیب الدولہ (۱۷۷۰ء۔۱۷۷۰ء) کے علاوہ افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ان کے نام اپنے مکاتیب میں انھیں ہندوستان میں مسلمانوں کے ملی و سیاسی وجود کو لاحق خطرات سے متنبہ کرتے ہوئے، غیر مسلم طاقتوں کی سرکوبی کے لیے جنگی مہم پر آمادہ کیا۔شاہ ولی اللہ کی اس تحریک کا نتیجہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی شکست فاش کی صورت میں نکلا تھا۔(۹۵)

شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد (شاہ ولی اللہ دہلوی) کی برپا کی ہوئی علمی و فکری تجدیدی و اصلاحی اور سیاسی تحریک کو پورے طور سے زندہ رکھا۔اپنے والد گرامی کی طرح وہ بھی درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مشغولیت کے باوجود ملکی حالات اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش خطرات سے بے خبر و لاتعلق ہرگز نہیں رہے۔(۹۶) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بعض مکاتیب میں دہلی سے کلکتے تک ملک مسلمانوں پر نازل ہونے والی آفات کا بڑے اندوہ و کرب سے تذکرہ کیا ہے۔ملکی حالات کے بارے میں ان کا اضطراب اس سے بہت گہری مشابہت رکھتا ہے جس کا اظہار شاہ ولی اللہ نے نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کے نام اپنے مکاتیب میں کیا تھا۔اگر شاہ ولی اللہ کا مدعا و مقصد اس وقت کی مقتدر مسلمان قوتوں کو بیدار و متحرک کر کے غیر مسلم طاقتوں کی

قوت کو توڑنا تھا تو بالیقین شاہ عبدالعزیز کا مطمح نظر بھی وہی رہا ہوگا۔ تاہم شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں نہ تو ملک کے اندر نجیب الدولہ جیسا عسکری قائد موجود تھا اور نہ ہی کسی پڑوسی ملک میں احمد شاہ ابدالی جیسا کوئی مہم جو اور عالی حوصلہ حکمران۔ اس وقت غیر ملکی طاقت نے دارالسلطنت دہلی سے کلکتے تک ملک کے کثیر حصے پر تسلط جما لیا تھا، جبکہ ملک کے بعض حصے (پنجاب سے پشاور تک) سکھوں کی تاخت و تاراج کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ دریں حالات اس کے علاوہ اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی کہ ہجرت و جہاد کا نعلغلہ بلند کر کے انگریزی اقتدار کو دعوت مبارزت دینے اور بغیر کسی موثر عسکری و سیاسی تنظیم اور جنگی تیاری کے اس سے تصادم کا خطرہ مول لینے کے بجائے عامۃ المسلمین کی دینی حس اور غیرت ملی کو بیدار کر کے ایک وسیع اور ملک گیر تحریک جہاد و مقاومت کھڑی کی جائے۔ اس اعتبار سے اپنے مرید خاص سید احمد بریلوی کی قیادت میں تحریک اصلاح و جہاد کی اٹھان کو شاہ عبدالعزیز کے سیاسی تدبر کا شاہکار ہی کہا جا سکتا ہے۔

خاندان ولی اللہی کے مقتدر اور معتبر افراد کا طرز فکر و عمل بذات خود شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی مستند تعبیر پیش کرتا ہے۔ اس تعبیر کے مطابق ہندوستان کی دارالحرب میں تبدیلی اس بات کو مستلزم تھی کہ اہل اسلام دارالاسلام کے احیاء کے لیے ہجرت و جہاد کا راستہ اختیار کریں۔ تاہم جمعیۃ العلماء ہند کے قائدین بخصوصاً مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا سید محمد میاں نے تحریک آزادی کی جدوجہد کے دوران میں اپنے سیاسی مسلک (یعنی برطانوی اقتدار کے خلاف ہندو مسلم اتحاد کی تشکیل اور ہندو مسلم متحدہ قومیت کے نظریے) کی تائید میں شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب سے جن معانی کا استنباط کیا ہے وہ سراسر افراط پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کا فتویٰ دارالحرب ان معانی کا ہرگز طور پر متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف اگر شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب اور اس کے سیاسی و اقتصادی مضمرات سے متعلق جدید اخیال تعبیر و توجیہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ شاہ صاحب کے اعزاء و اقرباء اور ان کے خلفاء و متوسلین ان کے حقیقی منشا اور ان کے فتویٰ دارالحرب کے مضمرات کو سمجھنے سے قاصر و معذور رہے۔ شاہ صاحب تو محض مسلمانوں کے "اقتصادی مفادات و مصالح" کے لیے فکر مند تھے، وہ نہ صرف یہ کہ ملت اسلامیہ کی سیاسی زندگی سے کنارہ کش و لاتعلق ہو کر رہ گئے تھے، بلکہ انگریزوں کی مخلصانہ اور وفادارانہ اطاعت و انقیاد کے لیے میدان ہموار کر رہے تھے، جبکہ ان کے خاندان کے افراد اور خلفاء و تلامذہ نے شاہ صاحب کے منشا کے علی الرغم عسکری مہم جوئی کا راستہ اختیار کر کے خود کو ہلاکت و بربادی سے دوچار کیا۔ جدید اخیال اہل قلم نے شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ کی جو تعبیر کی ہے وہ ولی اللہی خاندان کی مجموعی دینی و فکری اور سیاسی روایت سے ہرگز میل نہیں کھاتی۔ ولی اللہی خاندان کی مجموعی علمی و فکری روایت اور اس کے سیاسی طرز عمل کو نظر انداز کر کے شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب کی درست تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب کے منشا کی تفہیم کے لیے ان کے فتاویٰ دارالحرب کے متن تنقید و تجزیے پر اکتفا کے بجائے ان فتاویٰ کے تاریخی تناظر اور احوال و ظروف (historical circumstances) کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

بلاشبہ برعظیم پاکستان و ہند میں برطانوی حکومت کے قیام کے نتیجے میں قدیم مسلم قانونی و عدالتی اور معاشرتی و اقتصادی کو شدید زک پہنچی تھی، اور غیر مسلم اقتدار کے تحت سودی معیشت بڑی تیزی سے فروغ پا رہی تھی۔ ان حالات میں دارالحرب میں

سودی لین دین سے متعلق مسائل بھی علماء و فقہاء سے رہنمائی کا تقاضا کر رہے تھے۔ ایسے میں شاہ صاحب نے اپنے متعدد فتاویٰ میں دارالحرب میں مسلمانوں کے لیے سودی معاملات کو جائز قرار دیا تو ساتھ ہی مسلمانوں کو اس باب میں احتیاط کی بھی تلقین کی۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طور پر بھی قرین حق و انصاف نہ ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز مسلمانوں کی سیاسی حکومت سے یکسر لاتعلق تھے اور غیر مسلم برطانوی اقتدار کی وفادارانہ و اطاعت شعارانہ غلامی پر قانع ہی نہیں بلکہ اس کے استحکام کے لیے تعاون پر آمادہ ہو گئے تھے اور اب غیر مسلم اقتدار کے تحت ان کا مطمح نظر صرف اور صرف اسلامیان ہند کے "اقتصادی مفادات" کا تحفظ تھا، جو اس وقت سودی لین دین کو سند جواز فراہم کرنے سے ہی ممکن تھا۔ (۷۱) شاہ صاحب کے دہلی میں بعض انگریز حکام سے روابط، خصوصاً انگریز حکام کی طرف سے ان کے لیے "مدد معاش" کے اجرا جیسے نیز ان کی ضبط شدہ جائداد کے واگزار کرانے جیسے فیاضانہ اقدامات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی قرین صواب نہ ہوگا کہ وہ برطانوی حکومت سے وفادارانہ و خیر خواہانہ تعلقات کی استواری نیز اس کی مطلق انقیاد و اطاعت کے حامی و داعی تھے۔ متعدد قوی تاریخی شواہد اور قرائن ایسے ہیں کہ جو شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے بعض دوسرے مضمرات (ہجرت و جہاد) پر دلالت کرتے ہیں۔ ان شواہد و قرائن کی بنا پر شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے قانونی و سیاسی اور معاشی مضمرات سے متعلق جدید الخیال دانش وروں (مشیر الحق، سید اطہر عباس رضوی اور محمد خالد مسعود) کی تعبیر و تشریح قرین صواب معلوم نہیں ہوتی۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ سید معین الحق، "مقدمہ"، مشمولہ سعادت یار خاں رنگین، اخبار رنگین (مرتبہ: سید معین الحق) (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۲ء)، ص ۵۔ "فرمان از شاہ عالم مشتمل بر منظوری عطائے دیوانی بنگال، بہار، اڑیسہ بنام کمپنی" کے متن کے لیے دیکھیے: ص ۲۔ مزید دیکھئے: Edward Thornton, The History of the British Empire in India (London: W M. H. Allen and Co., 1841), vol. I, pp. 496-97; John Clark Marshman, The History of India: From the Earliest Period to the Present Time (New Delhi: Lal Publishers, 1982), pp. 161-162; Ishtiaq Hussain Qureshi, The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (Karachi: University of Karachi, 1999), p. 219-220; Syed Moinul Haq, The Great Revolution of 1857 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1968), p. 3.

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمود خاں محمود بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد میسور (لاہور: عوامی کتاب گھر، س ن)؛ محمد الیاس ندوی، سیرت سلطان ٹیپو شہید (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۴ء)۔

۳۔ مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان سلطنت اسلامیہ کا بیان (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)، ج ۱۰، ص ۳۲۳-۳۲۴؛ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی (نئی دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء)، ج ۱، ص ۶۸۷-۶۸۸

۴۔ دیکھیے:

Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent*, pp.218-219; S. Moinul Haq, "Ahmad Shah, 'Alamgir II and Shah 'Alam", in *A History of the Freedom Movement* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1957), vol.I, pp.136-137.

۵۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی (لاہور: مکتبۂ محمودیہ، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء)، ج ۲، ص ۷۷۔۷۸

۶۔ بشیر الدین احمد، واقعاتِ دارالحکومت دہلی، ج ۱، ص ۶۸۸

۷۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص ۷۸

۸۔ دارالحرب میں تبدیلیٔ احکام کے بارے میں ملاحظہ ہو: امام علاء الدین ابوبکر مسعود الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (مترجم: خان محمد چاولہ) (لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۳۴۔۳۳۶

۹۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی میں برطانوی اقتدار و تسلط کے تحت ہندوستان کی شرعی حیثیت (اس کے دارالحرب ہونے) کے بارے میں کئی ایک فتاویٰ ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیزی (دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ)، ج ۱، ص ۱۶۔۱۷، ۵۱، ۱۰۵، ۱۸۵، وغیرہ

۱۰۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز دہلوی، فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۳۲۔۳۳؛ فتاویٰ عزیزی اردو مبوب بطرز جدید (مترجم: مولوی عبدالواحد غازی پوری) (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۲۶ء)، ص ۵۵۴۔۵۵۵

۱۱۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ج ۱، ص ۱۶۔۱۷

۱۲۔ فتاویٰ عزیزی کامل مبوب بطرز جدید (اردو)، ص ۴۴۱

۱۳۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۱۶۔۱۷؛ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۴۴۱۔۴۴۲

۱۴۔ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۵۵۶۔۵۵۷؛ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، ص ۱۰۹۔۱۱۰

۱۵۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے ملفوظات میں بھی کلکتہ سے لاہور تک کے علاقہ کو دارالحرب قرار دیا، البتہ یہ فرمایا ہے کہ رام پور اور لکھنؤ وغیرہ مقامات دارالحرب نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی و مفتی انتظام اللہ شہابی) (کراچی: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۴۳۔ اپنے ملفوظات میں لکھنؤ کے دارالحرب نہ ہونے کی تحریر صراحت کر دی فرمایا: "نواب وزیر کے عہد میں یہ ملک (لکھنؤ) ابھی دارالحرب نہیں ہوا البتہ دارالفتن ہے [نواب وزیر مذکور کی شیعیت کی بنا پر]۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کی حکمرانی میں برکت اور رعایت نہیں تھی لیکن انگریزوں کے عہد میں اس سے بھی زیادہ بے برکتی ہے۔" حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱

۱۶۔ ملاحظہ ہو: مولانا سید محمد زبیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ (لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۹۷۱ء)، ج ۲، ص ۱۹۱۔۱۹۵؛ مولانا احمد رضا خان بریلوی، اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام (بریلی: مطبع اہل سنت و جماعت، ۱۳۰۶ھ)، ص ۴۔۱۸؛ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، دارالاسلام اور دارالحرب (مئو، یو۔پی: مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۳۔۱۹۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے دارالاسلام و دارالحرب کی تعیین و تشخیص کے باب میں شاہ عبدالعزیز سے "متقدم اور ان سے اقدم" بہت سے فقہائے احناف کی تصریحات نقل کی ہیں جن کا ملخص یہ ہے کہ دارالاسلام پر سے مسلم اقتدار کے خاتمے اور وہاں غیر مسلم اسٹیٹ قائم ہونے کے بعد اگر احکام اسلام [کچھ نہ کچھ] اس اسٹیٹ میں جاری ہیں تو وہ بلاشبہ دارالاسلام ہیں (حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۔۱۷)۔ شاہ عبدالعزیز کی رائے کے برخلاف ان فقہا کی تصریحات کی رو سے ہندوستان کا دارالحرب ثابت ہونا ناممکن تھا اور ان کی رو سے وہ بلاشبہ دارالاسلام ہی تھا، کیونکہ جب تک غیر مسلموں کے زیر اقتدار ملک میں احکام اسلام میں سے ایک حکم بھی باقی رہے وہ دارالحرب نہیں بن سکتا (حوالہ مذکورہ، ص ۲۷۔۲۸، ۳۰)

۱۷۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی)، جلد ۱، ص ۳۴۔۳۵؛ فتاویٰ عزیزی (اردو)، ص ۵۵۴۔۵۵۷

۱۸۔ فقہ اسلامی میں کسی ملک کے دارالحرب قرار پانے جانے کی صورت میں کئی سیاسی و قانونی نتائج مترتب ہوتے ہیں، مثلاً اس ملک سے ہجرت فرض ہوتا اور اس ملک کے خلاف جہاد کی فرضیت۔ دیکھیے: محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ء۔۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، جلد ۳۸، شمارہ ۱۰ تا ۱۲ (اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۵۳؛ مزید دیکھیے: Rudolph Peters, *Islam and Colonialism: The Doctrines of Jihad in Modern Islam* (The Hague-Paris-New York: Mouton, 1979); M. Naeem Qureshi, "The 'Ulama of British India and the Hijrat of 1920", *Modern Asian Studies*, 13:1 (1979): 41-59, esp. 41-45; David Cook, *Understanding Jihad* (Berkeley: University of California Press, 2005), esp. pp. 39-48; Michael Bonner, *Jihad in Islamic History: Doctrines and Practice* (Princeton, NJ: Princeton University Press, 2006); Ahmed Mohsen Al-Dawoody, "War in Islamic Law: Justifications and Regulations", Ph. D. Thesis, University of Birmingham, 2009, esp. chap. 3, pp. 126-192; Alan Verskin, "Early Islamic Legal Responses to Living Under Christian Rule: Reconquista-Era Development and Impact in the Maghrib", Ph. D. Dissertation, Department of Near Eastern Studies, Princeton University, Princeton, NJ, 2010, esp. chaps 4 (pp. 145-173) and 5 (pp. 174-230); Christopher J. van der Krogt, "Jihad without Apologetics", *Islam and Christian-Muslim Relations*, vol. 21, no. 2 (2010), pp. 127-142; Benjamin Claude Brower, "The Amir 'Abd Al-Qadir and the "Good War" in Algeria, 1832-1847", *Studia Islamica, nouvelle edition series*, 2 (2011), pp. 35-68; Marina Carter and Crispin Bates, "Religion and Retribution in the Indian Rebillion of 1857", *Leidschrift, Empire, and Resistance - Religious beliefs versus the ruling power*, 24:1 (2009), pp. 51-68.

۱۹۔ دیکھیے: مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (مرتب: محمد سرور) (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۲۰۰۸ء)، ص ۵۶ تا ۵۷، ۹۳؛ نیز دیکھیے: وہی مصنف، خطبات و مقالات (مرتب: مفتی عبدالخالق آزاد) (لاہور: دارالتحقیق والاشاعت، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۰۶۔۲۰۷

۲۰۔ مولانا سید حسین احمد مدنی، نقش حیات (لاہور: المیزان، ۲۰۰۶ء)، حصہ دوم، ص ۱۳۔۱۴، ۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۲۔۳۳

۲۲۔ سید محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۸۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔۸۳

۲۴۔ مولانا اسیر ادروی، مولانا رشید احمد گنگوہی: حیات اور کارنامے، دیوبند: شیخ الہند اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص ۵۳۔ جمعیت العلماء ہند سے وابستگی رکھنے والے بعض دیگر اہل علم نے بھی شاہ عبدالعزیز کے فتوی کی اسی تعبیر کو اختیار کرتے ہوئے اسے برعظیم پاکستان و ہند کی جنگ آزادی کی بنیادی دستاویز قرار دیا ہے۔ بطور مثال دیکھیے ابو سلمان شاہجہان پوری، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ دارالحرب: تاریخی و سیاسی اہمیت (کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، ۱۹۹۵ء)۔

۲۵۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء)، ج ۵، ص ۳۳۱، ۳۶۷۔۳۶۸

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۴۶۔۲۴۷

۲۷۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مورخ خورشید مصطفیٰ رضوی کے خیال میں "شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس طرح غیر ملکی اقتدار کے خلاف ہمہ گیر جنگ آزادی کا اعلان کیا" (خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء، ص ۷۵)۔

۲۸۔ خلیق احمد نظامی، "پیش لفظ"، در عبداللطیف، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء)، ص ۱۱؛ وہی مصنف، "محاربہ ۱۸۵۷ء"، دارالعلوم (دیوبند)، ۹۱: ۱۰۔۱۱ (اکتوبر۔ نومبر ۲۰۰۷ء)، ص ۵۹۔۶۰۔ مزید دیکھیے:

K. A. Nizami, "Socio-religious Movements in Indian Islam, 1763-1898", in S. T. Lokhandwalla (ed.), India and Contemporary Islam: Proceedings of a Seminar (Simla: Indian Institute of Advanced Study, 1971), pp. 98-115, esp. pp. 103-104.

۲۹۔ کے ایم اشرف، "احیاء اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب"، غالب نامہ (دہلی)، جلد ۳۰، شمارہ ۱ (جنوری ۲۰۰۸ء)، ص ۱۲۵۔۱۴۳؛ نیز دیکھیے: کے ایم اشرف، "احیاء اسلام کے حامی اور ۱۸۵۷ء کا انقلاب"، در پی سی جوشی، محمد علی تارق (مترجمین)، انقلاب ۱۸۵۷ء، جدید انکشافات (لاہور: مکتبہ اخوت، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۰۰۔۱۰۱؛ مزید دیکھیے: K. M. Ashraf, 'Muslim Revivalists and the Revolt of 1857', in P. C. Joshi (ed.), Rebellion 1857: A Symposium (New Delhi: People's Publishing House, 1957), pp. 71-102.

۳۰۔ Ziya-ul-Hasan Faruqi, The Deoband School and the Demand for Pakistan (Bombay/New Delhi: Asia Publishing House, 1963), p. 2.

۳۱۔ Ishtiaq Husain Qureshi, Ulema in Politics (Karachi: Ma'aref Limited, 1972), pp. 138-140; Idem, The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, p. 220.

۳۲۔ سید معین الحق، "پیش لفظ"، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی، محقق: انتظام اللہ شہابی) (کراچی: پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۶۰ء)، ص ۶۔

۳۳۔ محمد ایوب قادری، "تحریک جہاد کا پس منظر"، الولی (حیدرآباد)، جلد ۹، شمارہ ۸۔۹ (نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۷ء)، ص ۱۸؛ وہی مصنف، "فتویٰ دارالحرب سے تحریک ترک موالات تک: برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا مختصر خاکہ"، مونوگراف سلسلہ مطبوعات نمبر ۴ (کراچی: ایوانِ ایجادی اکیڈمی، س۔ن)، ص ۲۶۔۲۷۔

۳۴۔ محمد ایوب قادری، "سرسید احمد خان اور وہابی تحریک"، البلاغ (کراچی)، جلد ۴، شمارہ ۴ (ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ / جولائی ۱۹۷۰ء)، ص ۳۰۔۳۱

۳۵۔ ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۸۷

۳۶۔ محمد مجیب کے خیالات و آراء کے لیے دیکھیے: M. Mujeeb, *The Indian Muslims* (London: George Allen & Unwin Ltd., 1967), pp. 390-396.

۳۷۔ دیکھیے: مشیر الحق، "انیسویں صدی کے ہندوستان کی مذہبی شرعی حیثیت: شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کا ایک علمی تجزیہ"، برہان (دہلی)، جلد ۶۳ (۱۹۶۹ء)، ص ۲۲۱۔۲۲۳؛ وہی مصنف، "شاہ عبدالعزیز کے فتاوائے دارالحرب کا تاریخی پس منظر"، در مشیر الحق، مذہب اور جدید ذہن (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۴ء)، ص ۲۶۔۱۸؛ مزید دیکھیے: وہی مصنف، Shah Abdul Aziz: His Life and Time (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1995), esp. pp. 35-72.

۳۸۔ مشیر الحق، "شاہ عبدالعزیز کے فتاوائے دارالحرب کا تاریخی پس منظر"، ص ۲۷۔۲۸

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۸

۴۰۔ ایضاً، ص ۴۷

۴۱۔ ایضاً، ص ۵۰

۴۲۔ ایضاً، ص ۶۱، ۶۹

۴۳۔ ایضاً، ص ۴۸

۴۴۔ ایضاً، ص ۴۷۔۴۸

۴۵۔ ایضاً، ص ۶۹

۴۶۔ ایضاً، ص ۶۹، بحوالہ فتاویٰ عزیزی، جلد ۱، ص ۵۴

۴۷۔ ایضاً، ص ۷۰۔ سر سید احمد خان، امیر علی اور مولوی چراغ علی کے نظریۂ جہاد کے بارے میں ملاحظہ ہو:

Moulavi Cheragh Ali, A Critical Exposition of the Popular Jihad, Showing that all the Wars of Mohammad Were Defensive and that Aggressive War, or Compulsory Conversion, is not Allowed in The Koran (Calcutta: Thacker, Spink and Co.,1885); Ghulam Mohammad Jaffar, "The Repudiation of Jihad by the Indian Scholars in the Nineteenth Century', Hamdard Islamicus (Autumn 1992), pp. 93-100.

۴۸۔ ایضاً، ص ۷۰، بحوالہ فتاویٰ عزیزی، جلد ۳، ص ۸۸

۴۹۔ اطہر عباس کے خیالات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Rizvi, Saiyid Athar Abbas, Shah 'Abd al-Aziz: Puritanism, Sectarian, Polemics and Jihad (Canberra: Ma'rifat Publishing House, 1982), pp. 225-237, 522-541.

۵۰۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔۲۳۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۷

۵۲۔ ایضاً، ص ۵۲۲۔۵۴۱

۵۳۔ محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ تا ۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، جلد ۳۸، شمارہ ۱۰ تا ۱۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۴۳۔۹۳؛ یہی مضمون: "شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶۔۱۸۲۴ء)"، مشمولہ محمد خالد مسعود (مرتب)، اٹھارویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رجحانات (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۴۳۔۳۵۶، مزید دیکھیے: Muhammad Khalid Masud, "The World of Shah 'Abd al-'Aziz (1746-1824)" in Jamal Malik, Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860 (Leiden-Boston-Koln: Brill, 2000), pp. 298-314.

۵۴۔ محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ تا ۱۸۲۴ء)"، المعارف (لاہور)، (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، ص ۵۶۔۵۷

۵۵۔ ایضاً، ص ۵۷

۵۶۔ ایضاً، ص ۵۷۔ شاہ عبدالعزیز سے دہلی کے بعض انگریز حکام کے میل جول کے بارے میں ملاحظہ ہو: شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجم: مولوی محمد علی لطفی، مقدمہ انتظام اللہ شہابی) (کراچی: ۱۹۶۰ء)، ص ۲۱۴۔۲۲۵، ۲۳۷، ۲۴۹؛ نیز ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۲۶۔۱۳۰، ۱۴۸

۵۷۔ محمد خالد مسعود، "شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷۴۶ تا ۱۸۲۴ء)"، ص ۵۰۔۵۱، ۵۸

۵۸۔ ایضاً، ص ۵۱۔۵۴

۵۹۔ ایضاً، ص ۵۶

۶۰۔ محمد ایوب قادری، "مقدمہ"، مشمولہ سید مصطفیٰ علی بریلوی، ۱۸۵۷ء کا ایک جانباز مجاہد: نواب خان بہادر خاں شہید (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۹۳ء)، ص ۹۔۳۔ مزید دیکھئے: Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia 1707-1867: The Role of Shah Wali Allah and His Successors (Islamabad: Islamic Research Institute, 2002), p. 177.

۶۱۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز (فارسی)، ص ۲۰۱ بحوالہ رئیس احمد جعفری (مرتب)، اوراق گم گشتہ (لاہور: محمد علی اکیڈمی، ۱۹۶۸ء)، ص ۱۹۰۔ شاہ اہل اللہ وغیرہ کے نام خطوط میں بھی شاہ عبدالعزیز نے اس پر فتن دور میں پیش آمدہ مصائب و شدائد کے بارے میں ایسے ہی جذبات و احساسات کا اظہار کیا۔ دیکھئے: شاہ عبدالسلام (مرتب)، رسائل الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلوی و اولادہ و معاصریہ (لکھنؤ: آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ۲۰۰۷ء)، مکتوب ۱۳، ص ۶۰؛ مکتوب ۲۱، ص ۶۱۔۶۲، ۶۵؛ مکتوب ۶۸، ۶۹، ۷۰، ص ۹۱۔۹۳

۶۲۔ حافظ احمد علی شوق، کالاپانی رام پور (پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۸۶ء)، ص ۴۰۳۔۴۰۴۔ شاہ عبدالعزیز کے مکاتیب بنام مولوی عبدالرحمن رام پوری مع برادران، کے فارسی متن اور ان کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: سید رئیس احمد جعفری (مرتب)، اوراق گم گشتہ، ص ۱۹۳۔۱۹۷۔ شاہ عبدالعزیز بعض اکابر علماء کے نام اپنے خطوط میں بھی دہلی سے ہجرت سے متعلق اپنے عزم و ارادے کا ذکر کیا ہے لیکن اس وقت ہندوستان میں انھیں کوئی محفوظ و مامون ٹھکانا نظر نہ آتا تھا۔ دیکھیے: شاہ عبدالسلام (مرتب)، رسائل الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلوی و اولادہ و معاصریہ، مکتوب ۵۵، ص ۹۰؛ مکتوب ۶۹، ص ۹۲۔۹۳

۶۳۔ شاہ عبدالعزیز اور تحریک مجاہدین کے باہمی ارتباط کے بارے میں دیکھیے: ندوی، سیرت سید احمد شہید، جلد ۱؛ مہر، سید احمد شہید، باب ۲۰، ۲۱۔ مزید دیکھیے:

Ziya-ul-Hasan Faruqi, The Deoband School and the Demand for Pakistan (Bombay and New Delhi: Asia Publishing House, 1963), pp. Idem,The Muslim 5-7; Qureshi, Ulema in Politics, pp. 144-146; Community, pp. 221-225 ;Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 189, 196-197.

۶۴۔ مہر، سید احمد شہید، ص ۱۱۶۔۱۲۱، ۱۷۸، ۱۹۶؛ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۵۲۔۱۵۸، ۲۶۰

۶۴۔ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۵۸۔۱۶۰۔

۶۵۔ مہر، سید احمد شہید، ص ۱۴۲، ۱۹۴؛ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، ص ۱۹۰، ۲۸۳؛ عبیداللہ قدسی، آزادی کی تحریکیں (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۸ء)، ص ۸۷۔۸۹، ۹۱۔۹۳

۶۶۔ ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ۶/۱، باب ۱۵، ۱۹، ص ۱۵۸۔۱۸۲، ۲۳۳؛ شیخ محمد اکرام، موج کوثر (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)، ص ۱۶

۶۷۔ سر سید احمد خان، آثار الصنادید (نئی دہلی: اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۰ء)، جلد ۲، ص ۷۶؛ مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (لاہور: ادارۂ معارف اسلامی، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۷۔۲۸

۶۸۔ شاہ محمد اسحاق کی جانشینی کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید احمد خان، آثار الصنادید، جلد ۲، ص ۹۱؛ عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر

۶۹۔ شاہ اسحاق، ان کے برادر شاہ محمد یعقوب اور داماد مولوی سید نصیر الدین کی تحریک مجاہدین کے لیے خدمات کے بارے میں ملاحظہ ہو: غلام رسول مہر،

سرگزشت مجاہدین (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن)، ص ۱۲۹۔۱۳۰؛ وہی مصنف؛ اکرام، موج کوثر، ص ۳۳۔۳۵، ۴۰۔۴۱؛ محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۲۹۔۱۳۰؛ وہی مصنف، حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (کراچی: الرحیم اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء)، ص ۳۹، ۴۷، ۶۲۔۶۶، ۹۰۔۹۱

۷۰۔ مہر، سرگزشت مجاہدین، ص ۱۹۰۔۱۹۵؛ مزید دیکھیے: J.O'Kinealy, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, 51:101 (July 1870), pp. 188-189.

۷۱۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: J. O'Kinealy, "A Sketch of the Wahhabis in India Down to the Death of Sayyid Ahmad in 1831-I", Calcutta Review, vol. 50, no. 100 (April 1870), pp. 73-104; Idem, "The Wahhbis in India-II", Calcutta Review, vol. 51, no. 101 (July 1870), pp. 177-192; Idem, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, vol. 51, no. 102 (October 1870), pp. 381-399; M A Bari, "A Comparative Study of the early Wahhabi doctrines and contemporary reform movements in the Indian Islam", Oxford University D. Phil, Thesis, 1953, p. 147, and passim; Farhan Ahmad Nizami, " Madrasahs, Scholars and Saints: Muslim Response to the British Presence in Delhi and Upper Doab 1803-1857", D. Phil. Thesis, Faculty of Modern History, University of Oxford, 1983, pp. 156-165; Shaukat Ali, Islam and the Challenge of Modernity: An Agenda for the Twenty First Century (Islamabad: NIHCR, 2004), p. 115;Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 189-198.

۷۲۔ M. A. Bari, "A Nineteenth-Century Muslim Reform Movement in India", in George Makdisi (ed.), Arabic and Islamic Studies in Honor of Hamilton A. R. Gibb (Leiden: E. J. Brill, 1965), p. 94.

۷۳۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (مترجم: صادق حسین) (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۶ء)، ص ۲۰۴، ۲۰۵

۷۴۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۷۵۔ ندوی، نقش حیات، ج ۲، ص ۱۳، ۱۴

۷۶۔ مکتوبات سید احمد شہید (قلمی نسخہ)، ص ۶۴، ۶۸ مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، ۳۵/۲۵۰۱؛ "تحفظ علوم ناری" بحوالہ فیصل احمد ندوی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار ۱۸۵۷ء سے پہلے (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)، ص ۴۷

۷۷۔ معین الدین عقیل، "تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرت افغانستان اور اس کے اثرات"، مشمولہ علم و آگہی تحریکات کی نمبر (کراچی، ۱۹۸۲ء۔۱۹۸۳ء)، ص ۱۹۹؛ مزید دیکھیے: J.O'Kinealy, "The Wahhabis in India", Calcutta Review, 51:102 (Oct. 1870), p. 386.

۷۸۔ ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۲۰۵

۷۹۔ دیکھیے سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ ۶، جلد ۱؛ مزید دیکھیے J. O'Kinealy, "A Sketch of the Wahhabis in India Down to the Death of Sayyid Ahmad in 1831", Calcutta Review, 50:100 (April

1870), p. 81.

۸۰۔ سید احمد شہید، صراط مستقیم (ملفوظات سید احمد شہید)، بحوالہ سید ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید (کراچی: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۹۷۵ء)، ج ۱، ص ۳۱۶

۸۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مکاتیب سیّد احمد شہید (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)۔ مزید دیکھیے مہر، سید احمد شہید (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن)، ج ۱، ص ۲۲۳ – ۲۲۵؛ غلام رسول مہر، جماعت مجاہدین (لاہور: کتاب منزل، س۔ن)، ص ۱۱ – ۱۵؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۰۷ – ۳۱۵

۸۲۔ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۲۳

۸۳۔ مکاتیب سیّد احمد شہید (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)، ص ۴۵ – ۴۶، ۷۴؛ ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۱۰ – ۳۱۱

۸۴۔ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۹۷ – ۱۰۰؛ ابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۱۱

۸۵۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مکاتیب سید احمد شہید، ص ۹ الف، ۱۳، ۱۸ تا ۱۹، ۲۵ تا ۳۹ الف، خصوصاً ص ۴۶، ۷۴ تا ۷۹ الف، ۸۰۔ سید احمد شہید کے مکاتیب میں جہاد، ہجرت کے مباحث کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: محمد اسلم، "پیش لفظ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید: قلمی نسخے کا عکسی ایڈیشن (لاہور: مکتبۂ رشیدیہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)، ص ۱۱ – ۳۰؛ محمد ایوب قادری، "مقدمہ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۲۱ – ۲۰۔ مزید دیکھیے: A. S. Bazmee Ansari, "Sayyid Ahmad Shahid in the Light of his Letters", Islamic Studies, vol. XV, no. 4 (Winter 1976), pp. 231-245. سید احمد کی تحریک جہاد کے مقاصد کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی، سید احمد شہید، ج ۱، ص ۳۲۰ – ۳۲۲؛ محمد ایوب قادری، "مقدمہ" مشمولہ مکاتیب سید احمد شہید، ص ۳۸۔

۸۶۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات (کراچی: پاک اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)؛ سید خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء (لاہور: پیپلز پبلشرز، ۲۰۰۷ء)؛ طفیل احمد مدنی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار ۱۸۵۷ء سے پہلے (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)۔

۸۷۔ فرائضی تحریک کے قائدین کے فتاویٰ دارالحرب اور غیر مسلم اقتدار کے خلاف جہاد کے بارے میں ان کے نظریات کیلئے دیکھئے: Muin-ud-Din Ahmad Khan, History of the Fara'idi Movement in Bengal, 1818-1906 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1965), pp. 70-79; Syed Moinul Haq, The Great Revolution of 1857 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1968), pp. 53-54.

۸۸۔ محمد ایوب قادری، "فتاویٰ دارالحرب سے تحریک موالات تک برصغیر میں مسلمانوں کی جد و جہد آزادی کا مختصر خاکہ"، سہ ماہی (کراچی)، سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۶ (س۔ن)، ص ۲۶ – ۲۷؛ طفیل احمد مدنی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار، ص ۳۰۰ – ۳۰۷۔ علمائے سندھ میں سے مخدوم ابراہیم ٹھٹھوی، مخدوم محمد ٹھٹھوی، میاں عبدالرسول چوٹیاری، اور مولانا عبدالرحیم ساکن کوٹ عالم کے فتاویٰ کے متن اور ان کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: رئیس احمد جعفری، اوراق گم گشتہ، ص ۱۹۸ – ۲۰۱

۸۹۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: سید خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگ آزادی ہند، ص ۳۲۷ – ۳۳۸؛ محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، ص ۲۰۲ – ۲۰۹، ۲۴۰، ۵۸۸ – ۵۹۱؛ [illegible]، "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد اور اس کے مفتیان"، المعارف (لاہور)، مئی ۱۹۷۶ء، ص ۶ – ۷ [کل صفحات ۱۵ تا ۲۷]؛ محمد اکرام چغتائی (مرتب)، ۱۸۵۷ء: روزنامچے، معاصر تحریریں، یادداشتیں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۳۲ – ۵۳۳۔

۹۰۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ: (۱) مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ فتویٰ "مسئلہ ملاحظہ ... دارالحرب و دارالاسلام" کے عنوان سے چھپا تھا، جس کا اردو

ترجمہ اور شرح مفتی محمد شفیع نے کیا جو "کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟" کے عنوان سے کتب دارالتبلیغ، دیوبند، سہارن پور سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوا۔ مولانا رشید احمد کا یہ فتویٰ اب ان کے مجموعہ تالیفات میں شامل ہے۔ مکمل فتویٰ کیلئے دیکھئے: مولانا رشید احمد گنگوہی، تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ (لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۹۶ء)، ص ۶۵۳–۶۶۸

۹۱۔ مولانا رشید احمد گنگوہی، تالیفات رشیدیہ، ص ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۷، ۶۶۸۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ دارالحرب کے اسباب و محرکات نیز اس موضوع سے متعلق ان کے دیگر فتاویٰ کے جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: نورالحسن راشد کاندھلوی، "حضرت مولانا گنگوہی کا ایک فتویٰ" سہ ماہی احوال و آثار (کاندھلہ، ضلع مظفر نگر)، ۱:۲ (اکتوبر–دسمبر ۲۰۰۷ء)، ص ۷۷–۱۰۳

۹۲۔ دارالحرب کے تفصیل کیلئے دیکھئے: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان (مترجم: صادق حسین) (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۴ء)، ص ۳۰۷، ۳۰۸؛ مولانا سید نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ (لاہور: اہل حدیث اکادمی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، جلد ۲، ص ۱۹۱–۱۹۵، ۳۰۳–۳۰۵؛ نواب سید محمد صدیق حسن خان، ترجمان وہابیہ (لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ)؛ ابو سعید محمد حسین لاہوری، الاقتصاد فی مسائل الجہاد (لاہور: وکٹوریہ پریس، س۔ن)؛ ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی، مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی (اردو مکمل ابواب) (کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۵۰۲۔ مزید دیکھئے:

Muhammad Mohar Ali (Ed.), Autobiography and other Writings of Nawab Abdul Latif Khan Bahadur (Chittagong:The Mehrab Publications,1968), p. xiv and esp. pp. 107-142; Enamul Haque, Nawab Bahadur Abdul Latif : His Writings and Related Documents (Dacca: Samudra Prokashani, 1968), pp. 78-110; W. W. Hunter, Our Indian Musalmans: Are They Bound in Conscience to Rebel Against the Queen? (London, 1872), pp. 123-124, 201; Khan, History of the Fara'idi Movement in Bengal, pp. 79-80, 89-103;P. Hardy, The Muslims of British India (Cambridge: Cambridge University Press, 1972), pp. 50-51,110-111, 114; Peters, Islam and Colonialism, p.51; Bashir Ahmad Khan, "The Shifting Paradigms of the Ahl-i-Hadith vis-a-vis the British Rule", Islam and the Modern Age, vol. xxxv, no.1 (2005), pp. 113-116; Ayesha Jalal, Partisans of Allah: Jihad in South Asia (Cambridge, MA/ London: Harvard University Press, 2008), cahp. 4, pp. 114-175.

۹۳۔ Hardy,The Muslims of British India, pp.108-110; M. Mohar Ali, "Hunter's "Indian Musalmans": A Re-Examination of its Background", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland, No. 1 (1980), pp. 30-51;

۹۴۔ دیکھئے: ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۶۹، ۳۰۳، ۳۰۷۔ مزید دیکھئے: M. M. Ali, "The Bengal Muslims' Repudiation of the Concept of British India as Dar al-Harb", Dacca University Studies, vol. xix (1971), Part A, pp. 47-58; Rahmani Begum, Sir Syed Ahmad Khan, The

Politics of Educational Reform (Lahore: Vanguard Books Ltd., 1985), pp. 129-130.

۶۵۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۸ء، ''مقدمہ'' ص ۲۸۔۲۹، ۳۲، ۳۴۔۳۵، ''مکتوبات فارسی'' ص ۱۔۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲۔ مزید دیکھیے: Khaliq Ahmad Nizami, "Shah Waliullah: his Work in the Political Field", in A History of the Freedom Movement : Being the Study of Muslim Struggle for the Freedom of Indo-Pakistan, 1707-1831 (Karachi: Pakistan Historical Society, 1957), vol. 1, pp. 531-532 ; Qureshi, Ulema in Politics, pp. 112-113; Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 117-132. .

۶۶۔ دیکھیے: Nizami, "Shah Waliullah: His Work in the Political Field", pp. 538-539.

۶۷۔ شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کے بارے میں محمود احمد غازی کا نقطۂ نظر بڑا متوازن معلوم ہوتا ہے۔ محمود احمد غازی نے شاہ عبدالعزیز کے زیر بحث فتاویٰ کے سیاسی و قانونی مضمرات کے ساتھ ساتھ ان کے اقتصادی مضمرات کی بھی پوری رعایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: Ghazi, Islamic Renaissance in South Asia, pp. 171-177 and passim.